ان میں) قدرے پیدا ہو گئی مگر پھر بھی چوتھی صدی کے لوگ اس مذہب کی "تقلید خالص" پر اور اس کے اندر فقاہت پیدا کرنے پر اور اسی مذہب کے قول کی حکایت کرنے پر مجتمع نہ تھے جیسا جستجو سے ظاہر ہے بلکہ ان میں علماء بھی تھے۔ اور عوام بھی۔ عوام مسائل اتفاقیہ اور جمہوریہ میں سوا صاحب شرع کے کسی کا پٹہ گلے میں نہیں ڈالتے تھے۔ وضو غسل نماز زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ اپنے ماں باپ سے یا اپنے شہروں کے معلموں سے سیکھتے اور جب کوئی واقعہ پیش آتا تو بلا تعیین مذہب کے جس مفتی سے اتفاق پڑتا مسئلہ پوچھ لیتے۔

اہل حدیث کا مسلک

وكان من خبر الخاصة انه كان اهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث فيخلص اليهم من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه الى شيئ آخر في المسئلة من حديث مستفيض او صحيح قد عمل به بعض الفقهاء ولا عذر لتارك العمل به او اقوال متظاهرة لجمهور الصحابة والتابعين مما لا يحسن مخالفتها فان لم يجد في المسئلة ما يطمئن به قلبه لتعارض النقل وعدم وضوح الترجيح ونحو ذلك رجع الى كلام بعض من مضى من الفقهاء فان وجد قولين اختار اوثقهما سواء كان من اهل المدينة او من اهل كوفة وكان اهل التخريج منهم يخرجون فيما لا يجدونه ... مصرحا ويجتهدون في المذهب وكان هؤلاء ينسبون الى مذهب اصحابهم فيقال فلان شافعي وفلان حنفي وكان صاحب الحديث ايضا قد ينسب الى احد المذاهب لكثرة موافقته به كالنسائي والبيهقي ينسبان الى الشافعي فكان لا يتولى القضاء ولا الافتاء الا مجتهد ولا يسمى الفقيه الا مجتهد ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم امور منها الجدل والخلاف في علم الفقه

(باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ۱۵۲/۱۵۳)

اور خواص لوگوں سے جو اہلحدیث تھے وہ حدیث کے ساتھ مشغول رہتے احادیث نبویہ اور آثار صحابہ ان کو اس قدر پہنچے کہ کسی مسئلہ میں اُن کو اور چیز کی احتیاج نہ رہتی حدیث مشہور یا صحیح پہنچتی جس پر فقہاء مجتہدین سے کسی نے عمل کیا ہو اور اس کے تارک کے لئے کوئی عذر نہ رہا ہو یا جمہور صحابہ اور تابعین کے اقوال پہنچتے جو ایک دوسرے کے موئید ہیں جن کی مخالفت ایسی نہیں اگر کسی مسئلہ میں تعارض نقل کی وجہ سے اور کسی جانب کو ترجیح نہ ہونے کی وجہ سے اطمینان قلب نہ ہوتا تو فقہا متقدمین میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کرتے پس اگر دو قول ہوتے تو زیادہ پختہ قول کو اختیار کرتے خواہ مدینہ والوں کا ہو یا کوفہ والوں کا اور اہل تخریج (جو امام کے اقوال سے مسئلہ نکال کر بتلاتے) وہ جس مسئلہ میں صریح قول نہ پاتے مذہب میں اجتہاد کر کے مسئلہ بتاتے اور یہ لوگ اپنے اماموں کے مذہب کی طرف نسبت کئے جاتے مثلاً کہا جاتا کہ فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی ہے اور کبھی اہلحدیث کو بھی بہت مسائل میں کسی مذہب کے موافق ہونے کی وجہ سے اُس مذہب کی طرف نسبت کرتے جیسے نسائی اور بیہقی شافعی کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں پس اس وقت قاضی اور مفتی مجتہد ہی ہوتا تھا۔ اور مجتہدین کا نام فقیہ رکھتے تھے پھر ان زمانوں کے بعد اور لوگ پیدا ہو گئے۔ جو دائیں بائیں جانے لگے اور کئی امور اُن میں نئے پیدا ہو گئے جن سے جھگڑا اور خلاف بھی ہے جو علم فقہ میں ہے۔

حدیث کے مقابلہ میں مفتی کے قول یا فتوٰی کی کوئی اہمیت نہیں

چونکہ یہ بات (یعنی خیر قرون کا طریق) بھی مسلّم ہے اس لئے انہی تین چار حوالوں پر اکتفا کر کے یہ بتلاتے ہیں۔ کہ حدیث رسول کے مقابلے میں کسی مفتی کے فتوٰی یا کسی کے قول کی رعایت ہوتی تھی یا نہ:

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صفحہ میں لکھتے ہیں۔

وقد تواتر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطا۔

صحابہ اور تابعین سے یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو حدیث پہنچی تو اس پر

عمل کرتے بغیر اس کے کہ کسی شرط کی رعایت کریں۔

دارمی کے صفحہ ۴۹ میں ہے:۔

قال بن عباس اما تخافون ان تعذبوا او یخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلعم وقال فلان

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم ڈرتے نہیں کہ عذاب کئے جاؤ یا زمین میں دھنسا دیئے جاؤ۔ اس بات پر کہ تم کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور فلاں نے کہا یعنی رسول اللہ صلعم کے بالمقابل فلاں کا ذکر کرتے ہو۔

حدیث کے مقابلہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی رائے پر عمل کرنا ہلاکت کا سبب ہے

تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۵۳ میں محمد بن عبدالملک کے ترجمہ میں ہے:۔

من ابن عباس قال تمتع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال عروۃ نھی ابوبکر وعمر عن المتعۃ فقال ابن عباس ما تقول عروۃ قال نھی ابوبکر وعمر فقال اراھم سیھلکون اقول قال رسول اللہ صلعم ویقولون قال ابوبکر وعمر قال ابن حزم انھا لعظیمۃ ما رضی بھا قط ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما

یعنی ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ نے تمتع کیا عروہ نے کہا ابوبکرؓ اور عمرؓ نے تمتع سے منع کیا ابن عباسؓ نے کہا کہ اے عروہ تو کیا کہتا ہے کہا ابوبکرؓ اور عمرؓ نے منع کیا ابن عباسؓ نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عنقریب ہلاک ہو جائیں گے میں کہتا ہوں رسول اللہ نے کہا اور یہ کہتے ہیں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے کہا ابن حزم کہتے ہیں یہ بہت بڑی بات ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کبھی اس کو پسند نہ کرتے۔

عبداللہ بن عمرؓ کی غیرت

ترمذی طبع مجتبائی کے صفحہ ۱۰۱ میں ہے:۔

عن ابن شھاب ان سالم بن عبد اللہ حدثہ انہ سمع رجلا من اھل

الشام وھو یسال عبد اللہ بن عمر عن التمتع بالعمرۃ الی الحج فقال عبد اللہ بن عمر ھی حلال فقال الشامی ان اباک قد نھی عنھا فقال عبد اللہ بن عمر ارایت ان کان ابی نھی عنھا وصنعھا رسول اللہ صلعم امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلعم فقال الرجل بل امر رسول اللہ صلعم فقال لقد صنعھا رسول اللہ صلعم۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ سالم بن عبد اللہ نے ایک شخص کو اہل شام سے سُنا کہ عبد اللہ بن عمر سے تمتع کی بابت سوال کرتا ہے۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا حلال ہے سائل نے کہا تیرے باپ (عمرؓ) نے تو اس سے منع کیا عبد اللہ بن عمر نے کہا بھلا یہ بتلا کہ میرے باپ نے اس سے روکا ہو اور رسُول اللہ صلعم نے کیا ہو تو کیا میرے باپ کا حکم مانا جائے گا یا رسول اللہ صلعم کا سائل نے کہا کہ رسول اللہ صلعم کا عبد اللہ بن عمر نے کہا بس پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے۔

نیز ترمذی طبع مجتبائی کے صفلا میں ہے۔

سمعت ابا السائب یقول کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرای اشعر رسول اللہ صلعم ویقول ابو حنیفۃ ھو مثلۃ قال الرجل فانہ قد روی عن ابراھیم النخعی انہ قال الاشعار مثلۃ قال فرایت وکیعا غضب غضبا شدیدا وقال اقول لک قال رسول اللہ صلعم وتقول قال ابراھیم ما احقک ان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا

میں نے ابو السائب سے سُنا کہتے تھے کہ ہم وکیع کے پاس تھے وکیع نے ایک شخص اہل رائے کو کہا کہ رسُول اللہ صلعم نے اشعار[1] کیا ہے۔ اور ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ یہ مثلہ[2] ہے اس شخص نے کہا ابراہیم نخعی نے بھی اسی طرح کہا ہے وکیع بڑے جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ میں کہتا ہوں رسول اللہ صلعم نے فرمایا تو کہتا ہے ابراہیم نے کہا کس قدر لائق ہے کہ تو قید کیا جائے پھر قید سے نہ نکالا جائے یہاں تک کہ اس بات سے توبہ کرے۔

---

[1] اشعار کہتے ہیں قربانی کے اونٹ کی کوہان میں زخم کر کے خون اوپر ملنا تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا ہے۔ ۱۲

[2] مثلہ کے معنی ہیں اطراف کا کاٹنا جیسے ناک کان یا ہاتھ پاؤں وغیرہ ۱۲

مسلم جلد اول طبع انصاری صـ۴۸ میں ہے۔

ان اباقتادة حدث قال كنا عند عمران بن حصين في رهط منا وفينا بشير بن كعب فحدثنا عمران يومئذ قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم الحياء خير كله او قال الحياء كله خير فقال بشير بن كعب انا لنجد في بعض الكتب او الحكمة ان منه سكينة ووقارا لله ومنه ضعف قال فغضب عمران حتى احمرتا عيناه وقال الا اراني احدثك عن رسول الله صلے الله عليه وسلم وتعارض فيه قال فاعاد عمران الحديث قال فاعاد بشير فغضب فما زلنا نقول انه منا يا ابا نجيد انه لا باس به

یعنی ابو قتادہ کہتے ہیں کہ ہم عمران بن حصین کے پاس تھے ایک جماعت میں اور ہم میں بشیر بن کعب بھی تھا پس عمران نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ حیا سب خیر ہے بشیر نے کہا ہم بعض کتابوں یا حکمت میں پاتے ہیں کہ بعض حیا اطمینان اور اللہ کیلئے عزت ہے اور بعض حیا ضعف ہے عمران غضب[1] میں آگئے یہاں تک کہ آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور فرمایا کہ میں رسول کی حدیث سُناتا ہوں اور تو اس کا معارضہ کرتا ہے پھر حدیث کو لوٹایا بشیر نے بھی اپنے کلام کو لوٹایا عمران زیادہ غضب میں آگئے ہم ان کا غضب کم کرنے کے لئے

[1] عمران بن حصین کے غضب میں آنیکی یہ وجہ نہ تھی کہ حیا سے کبھی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ یہ ایک ظاہر بات ہے کہ بعض دفعہ انسان زیادہ شرم کیوجہ سے مسئلہ نہیں پوچھتا اسی واسطے بخاری کے صـ۲۲ میں لکھا ہے کہ متکبر اور شرم والا علم نہیں سیکھ سکتا بلکہ عمران بن حصین کے غضب میں آنیکی وجہ یہ تھی کہ حیا کا فائدہ زیادہ ہے اور نقصان شاذ و نادر ہے ایسے شاذ و نادر نقصان کو رسول اللہ صلعم نے کالعدم قرار دیکر حیا کو مطلقاً خیر کہا ہے جیسے حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلعم سارا شعبان روزے رکھتے تھے حالانکہ کچھ چھوڑ بھی دیتے تھے چنانچہ ترمذی کے صـ۹۲ میں تصریح کی ہے پس جب اس محاورے پر رسول اللہ صلعم نے سب حیا کو خیر کہا ہے تو اب اس کی تقسیم کرنا اور یوں کہنا کہ بعض اس کا اطمینان اور عزت ہے اور بعض ضعف ہے یہ سراسر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ تقسیم سے برابری کا شبہ ہوتا ہے یعنی اس سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ حیا میں جیسے فائدہ بہت ہے ویسے نقصان بہت ہے حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں پس یہ وجہ تھی عمران بن حصین کے غضب میں آنے کی ورنہ شاذ و نادر نقصان سے کس کو انکار ہے؛ فافہم ۱۲

یہی کہتے رہے کہ بشیر ہم سے ہے اس کے ساتھ ڈر نہیں یعنی یہ منافق یا بدعتی نہیں۔

اس قسم کے تشددات سلف کے حدیث کی بابت بہت تھے دیکھئے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ نے عورتوں کے مسجد میں جانے کی بابت حدیث سنائی تو ان کے بیٹے نے کہا وہ بہانہ بنالیتی ہیں ہم تو روکیں گے بس آپ اتنی بات پر ایسے سخت ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک اس سے کلام نہیں کی کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہ نہیں کہ حدیث کے سامنے انسان چون وچرا کرے یا کسی کے قول اور فتویٰ کی رعایت رکھے اسی واسطے امام مالک کہتے ہیں ایسا کوئی شخص نہیں جس کی ساری باتیں لی جائیں مگر صاحب اس قبر کا یعنی رسول اللہ صلعم ہاں اگر قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو کسی سے پوچھے لیکن التزام ایک کا نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے اور پوچھے بھی یوں کہ اس مسئلہ میں خدا رسول کا کیا حکم ہے نہ یوں کہ فلاں امام کا کیا مذہب ہے کیونکہ صحابہ کے زمانہ میں ایک مذہب کا التزام نہ تھا نہ کوئی یہ خیال رکھتا تھا نہ قرآن وحدیث میں ایک کی تعیین کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔ اور رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔

انما شفاء العی السوال (مشکوٰۃ باب التیمم) یعنی جہالت کی شفاء پوچھنا ہے ایک مذہب کی تعیین کرنا اس آیت وحدیث کے خلاف ہے کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعیین کی ہے نہ رسول اللہ صلعم نے بلکہ آیت وحدیث میں مطلق ہے تو اب کسی دوسرے کو کیا اختیار ہے کہ وہ تعیین کرے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ٹھیٹھ اسلام میں تین باتیں ہیں ایک یہ کہ قرآن وحدیث کا صاف فیصلہ ہوتے ہوئے کسی کے قول یا فتویٰ کی رعایت نہ رکھے دوسری یہ کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے فیصلہ نہ ملے تو وہاں پہلے لوگوں کے فیصلہ کو اپنی رائے پر مقدم کرے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر خود قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو بغیر التزام تعیین مذہب کے کسی سے مسئلہ قرآن وحدیث کا پوچھ لے بس یہی ٹھیٹھ اسلام ہے اور یہی رسول اللہ صلعم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے تھے اور اسی پر صحابہ کو چھوڑ کر رخصت ہوئے اب جتنا کوئی ...... اس روش سے ہٹے گا اتنا ہی حق سے دور ہوگا اور جتنا اس سے نزدیک ہوگا اتنا ہی حق سے نزدیک ہوگا۔

مسلک اہلحدیث اور ٹھیٹھ اسلام میں کوئی فرق نہیں

اب ہم بتلاتے ہیں کہ وہ کونسا فرقہ ہے جو اس روش پر قائم ہے اس

کے بتلانے کی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ ہر ایک کا طرزِ عمل ہی اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ میں اس روش سے کتنا دُور ہوں اور کتنا نزدیک ہوں لیکن جس فرقہ کو ہم اس روش پر بتلانا چاہتے ہیں، اُس کے طرزِ عمل پر چونکہ غور نہیں کیا جاتا اور دُور دُور ہی سے ان کو لا مذہب اور ائمہ دین کے حق میں بے ادب اور گستاخ کہہ کر کوسا جاتا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان کا طرزِ عمل تحریر میں لائیں تاکہ کسی بھولے بھٹکے کو اس تحریر کے دیکھنے کا اتفاق ہو تو شاید برا کہنے سے باز آ جائے اور اگر زیادہ اس کی خوش قسمتی ہو تو یہی طرزِ عمل اختیار کرے اگرچہ اس طرزِ عمل کا کچھ ذکر حجۃ اللہ کی عبارت میں ص۲۲ پر بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں قدرے تفصیل مطلوب ہے پس سُنیئے:

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے ص۳۷ نفایت ص۳۵ پر اہلِ حدیث کا طرزِ عمل بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :-

اہلحدیث کی یہ رائے نہ ہوئی کہ پہلے لوگوں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں کیونکہ وہ دیکھتے کہ پہلے لوگوں میں سے ہر ایک کے مذہب کے خلاف کئی احادیث اور آثار ہیں (تو اگر ایک کی تقلید کرتے تو ان احادیث اور آثار کو چھوڑنا پڑتا حالانکہ طالبِ حق ایسا نہیں کر سکتا) پس انہوں نے ایسے چند قواعد کے ساتھ احادیث اور آثار صحابہ و تابعین و مجتہدین کی جستجو اختیار کی جو انہوں نے اپنے دلوں میں محکم کر رکھے تھے۔ میں ان قواعد کو مختصر عبارت میں تیرے لئے بیان کرتا ہوں (وہ یہ ہیں) جب کوئی مسئلہ قرآن میں صراحتہً ہوتا تو پھر کسی اور طرف نہ جاتے جب قرآن میں کئی معنوں کا احتمال ہوتا تو حدیث فیصلہ کرنے والی ہوتی پس جب کتاب اللہ میں کوئی مسئلہ نہ پاتے تو حدیث کو لیتے خواہ وہ حدیث فقہاء میں مشہور ہو یا ایک شہر والوں نے یا ایک گھر والوں نے روایت کی ہو یا صرف ایک ہی سند سے مروی ہو اور خواہ صحابہ یا فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ اور جب کسی مسئلہ میں حدیث ہوتی تو پھر اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف کسی کے قول یا اجتہاد کی تلاش نہ کرتے اور جب کسی مسئلہ میں باوجود پوری تلاش کے کوئی حدیث نہ پاتے تو جماعت صحابہ کے اقوال اور جماعت تابعین کے اقوال لیتے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک قوم کے پابند نہ رہتے جیسے ان سے پہلے لوگ کرتے تھے۔ پس جس مسئلہ پر جمہور علماء اور فقہاء متفق ہوگئے اسی کی اتباع کرتے اور جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا

تو خلفاء اور فقہاء میں سے جو زیادہ عالم اور پرہیزگار ہوتا اُس کی حدیث کو لیتے یا اس کی حدیث لیتے جو حدیث میں ان کے نزدیک زیادہ ضبط والا یا زیادہ مشہور ہوتا پس اگر کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں دو قول برابر ہوتے (یعنی دلیل کے رو سے ایک دوسرے پر ترجیح نہ ہوتی) تو وہ مسئلہ دو قول والا ہوتا پس اگر اقوال صحابہ و تابعین سے بھی عاجز ہو جاتے (یعنی کسی کا قول نہ پاتے) تو قرآن و حدیث کے عمومات اور اشارات میں اور اُن معانی میں جن کو عبارت چاہتی ہے غور کرتے (یعنی قرآن و حدیث میں اجتہاد) اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر حمل کرتے، جبکہ دونوں مسئلے سرسری نظر سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے (یعنی آپس میں بہت مشابہ ہوتے) اور (دوسرے فقہاء کی طرح) اصول کے (مقررہ) قواعد پر اعتماد نہ رکھتے بلکہ جو فہم کی طرف پہنچتا اور جس سے سینہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے (یعنی دل تسلی پکڑتا ہے) اس پر اعتماد کرتے جیسے کہ تواتر کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں نہ نقل کرنے والوں کے اوصاف کا اعتبار ہے۔ بلکہ جتنے عدد سے یقین ہو جائے (خواہ عدد تھوڑا ہو یا بہت اور نقل کرنے والے عادل ہوں یا غیر عادل) جیسا کہ صحابہ کے حال میں ہم اُس پر آگاہ کیا ہے (یعنی جیسے صحابہ کی بھی بالکل یہی حالت تھی کہ ان کا مقررہ قواعد پر اعتماد نہ تھا بلکہ جس طرح دل کی تسلی ہوتی اس پر اعتماد کرتے تھے) اور یہ اصول اہلحدیث کے پہلے لوگوں (یعنی سلف) کے طرز عمل اور ان کی تصریحات سے لئے گئے (چنانچہ سلف کے طرز عمل کی تفصیل ہو چکی ہے۔)

اہل حدیث پر طعن درحقیقت صحابہ پر طعن ہے

ناظرین! اہلحدیث کے اس طرز عمل کا مقابلہ صحابہ کی روش سے کر کے بتلائیں کہ اہلحدیث کیسے صحابہ کے قدم بقدم ہیں حریفوں پر بڑا افسوس ہے کہ وہ اہلحدیث پر طعن کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ہم درحقیقت صحابہ پر طعن کر رہے ہیں ہاں اگر صحابہ کی روش کسی کو پسند نہ ہو تو اس کی مرضی وہ جتنا چاہے طعن کرے ایسے طعن کرنے والے پر کچھ افسوس نہیں کیونکہ وہ تو اپنے اسلام ہی کی خیر منائے بیٹھا ہے۔ لیکن جو صحابہ کو اچھا کہتا ہے وہ خدا جانے کیوں طعن کرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ

بہ بزرگاں سخن بسوئے خود است   تف بسوئے فلک بروئے خود است

طائفہ منصورہ اہل حدیث ہیں

اور سب سے بڑھ کر اس شخص پر افسوس ہے جو مذہب اہلحدیث کو نیا سمجھتا ہے۔ حالانکہ جو طرز عمل سلف کے موافق ہو اور عین منشاء اسلام ہو اس کے نیا ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں خصوصاً جبکہ حدیث لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق کے مصداق بھی اہلحدیث ہی ہوں اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرقہ کے ہمیشہ حق پر رہنے کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

امام بخاریؒ کی شہادت

امام بخاری کہتے ہیں اس سے مراد اہل علم یعنی اہلحدیث ہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک اصل علم حدیث کا علم ہے اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاد علی بن مدینی سے نقل کیا ہے۔ ہم اصحاب الحدیث یعنی اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔

امام احمدؒ کی شہادت

امام احمد کہتے ہیں ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم یعنی اگر اس سے مراد اہلحدیث[1] نہ ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۲۹ صـ۲۷

[1] بعض کہتے ہیں کہ مذہب اہلحدیث تو پرانا ہے مگر نام اہل حدیث نیا ہے تو اس کی بابت عرض ہے کہ نام بھی پرانا ہے کہ یہ لقب خیر قرون سے چلا آتا ہے اور امام احمد اور علی بن مدینی کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ یہ لقب بہت پرانا ہے اس کے علاوہ مسلم کے شروع میں باب الاسناد من الدین میں ہے عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اھل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر الی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم یعنی محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ (پہلے) لوگ اسناد کا سوال نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہو گیا تو کہنے لگے راویوں کے نام بتلاؤ پس اہلسنت کو دیکھ کر ان کی روایت کی ہوئی حدیث لی جاتی اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی روایت کی ہوئی حدیث ترک کی جاتی۔ محمد بن سیرین مشہور تابعی ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوا کہ اہل سنت کا لقب ان سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ ماضی (گذشتہ) کا حال سنا رہے ہیں اور سنت اور حدیث ایک شے ہے

اکابر اہل حدیث

اس کے علاوہ اور سُنیئے شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے ص ۳۵ میں لکھتے ہیں

فکان رؤس ھؤلاء عبد الرحمٰن بن مھدی و یحیی بن سعید القطان و یزید بن ھارون و عبد الرزاق و ابوبکر بن ابی شیبۃ و مسدد و ھناد و احمد بن حنبل

بقیہ حاشیہ ص ۴۲ ۔ تو اہل حدیث بعینہٖ اہلسنت ہوتے اسی بنا پر امام احمد اپنے رسالہ کے شروع میں جو عقائد میں انہوں نے لکھا ہے اور ہندوستان میں مترجم ہو کر چھپ چکا ہے فرماتے ہیں ھذہ مذاھب اھل السنۃ و اصحاب الاثر و اھل السنۃ المتمسکین بعروقھا المعروفین المقتدی بھم فیھا من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا و ادرکت علیھا من علماء الحجاز والشام وغیرھم یعنی یہ اہل سنت اور اہلحدیث کے عقائد ہیں اور اہلسنت کے جو سُنّت کے دستاویز سے تمسک کرنے والے ہیں جو اس میں مشہور اور مقتدی ہیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اور جس پر میں نے علماء حجاز اور شام وغیرہ کو پایا۔

اس رسالہ کے اخیر پر فرماتے ہیں یرحم اللہ عبدا قال الحق واتبع الاثر وتمسک بالسنۃ یعنی رحم کرے اللہ اس بندے پر جس نے حق کہا اور اثر ۔ ۔ ۔ کی اتباع کی اور سُنّت سے استدلال کیا

ان دونوں عبارتوں میں اثر سے مراد روایات صحابہ ہیں اور سنت سے مراد حدیث ہے اور اہلحدیث ان دونوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسی لئے کبھی ان کو سلفی کہتے ہیں کبھی اہلحدیث کبھی اصحاب الاثر کبھی اصحاب الحدیث وغیرہ پس معلوم ہوا کہ اہل حدیث بعینہٖ اہل سُنّت ہیں اور یہ لقب حدیث ما انا علیہ و اصحابی سے ماخوذ ہے ما انا علیہ احادیث ہیں و اصحابی روایات صحابہ ہیں۔ اس کے بعد اصحاب الرائے پیدا ہو گئے جن کا زیادہ قصد تحصیل احادیث اور نقل اخبار کی طرف نہ رہا وہ لقب اہلسنت کے پورے مستحق نہ تھے مگر چونکہ عقائد کے رو سے وہ قریب قریب صحابہ کے تھے۔ اس لئے ان کے حق میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا رہا۔ بس اس طرح سے اہلسنت کا لفظ پھیل گیا۔ ورنہ اصل اہلسنت اہلحدیث ہی ہیں کیونکہ اہلسنت درحقیقت وہ ہے جو ہر طرح سے سُنّت سے تعلق رکھے یعنی اصول۔ فروع عقائد۔ احکام میں ہر طرح سُنّت کا پابند رہے جیسے صحابہ کا طرز عمل تھا جو تھوڑا سا بھی اس طرز سے ہٹا وہ اصل اہلسنت کہلانے کا مستحق نہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت جو پیچھے گزر چکی ہے اس میں جملہ و بینھما

(باقی اگلے صفحہ پر)

واسحاق بن راھویہ والفضل بن دکین وعلی بن المدینی واقرانھم۔

یعنی اہل حدیث[1] کے بڑے یہ لوگ ہیں عبدالرحمٰن بن مہدی۔ یحییٰ بن سعید قطان یزید بن ہارون عبدالرزاق ابوبکر بن ابی شیبہ مسدد۔ ہناد احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ فضل بن دکین علی بن مدینی اور ان کی مثل۔

بتلایئے ان لوگوں کا مذہب نیا تھا یا پُرانا اصل میں جن لوگوں نے مذہب اہل حدیث کو نیا سمجھا ہے ان کو ہندوستان سے دھوکا لگا ہے کیونکہ ہندوستان میں پچاس ساٹھ سال سے کچھ قبل مذہب اہلحدیث کا چنداں چرچا نہ تھا اس سے بعض کوتہ نظروں نے یہ سمجھ لیا کہ مذہب اہل حدیث کی عمر ہی کل پچاس ساٹھ سال کی ہے حالانکہ اس کی عمر سب مذاہب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ سب مذاہب سے پہلے موجود تھا۔ اور جب نئے مذاہب پیدا ہو گئے تو بھی ہر زمانہ میں موجود رہا۔ اور آئندہ بھی رہے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳ :۔ المحققون من اھل السنۃ کاحمد واسحاق اسی طرف اشارہ ہے پس ثابت ہوا کہ اصل اہل سنت اہل حدیث ہیں۔ اور اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت کا لفظ جو اہل بدعت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ پورا اہلسنت بننے کے لئے صرف عقائد ہی کافی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عقائد میں صحابہ کے موافق رہتا ہے وہ تھوڑے قریب میں رہتا ہے نیز اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت کوئی فرقہ نہیں بلکہ یہ وہی اصل لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جبکہ تفریق اسلامی کا نام و نشان تک نہ تھا فرقہ وہ لوگ ہیں جو ان سے الگ ہو گئے خواہ عقائد میں الگ ہوئے ہوں یا تحصیل احادیث اور نقل اخبار کا زیادہ قصد نہ کرنے کی وجہ سے الگ ہوئے ہوں۔ ہاں کبھی مجازاً اوروں کے مقابلہ میں ان کو بھی فرقہ کہہ دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہلسنت یا بالفاظ دیگر اہل حدیث اُس شاہراہ پر ہیں جو سیدھی مدینہ کو جاتی ہے باقی سب بیچ بیچ ہیں جو زیادہ دور ہیں وہ اہل بدعت ہیں جو تھوڑے قریب ہیں ہیں وہ اصحاب الرائے وغیرہ ہیں فافہم ۱۲

[1] اہل حدیث کے بڑے تو اصل میں صحابہ ہیں لیکن ان لوگوں کو بڑے اس وقت کے لحاظ سے کہا ہے جب کہ اہل رائے کا چرچا ہو گیا کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کا ذکر اہل رائے کے مقابلہ میں کیا ہے۔ فافہم ۱۲۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

سوال :- مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مقام پر تفسیر صحابہؓ کی مخالفت کی ہے اکابر علماء خاندان غزنویہ و دیگر علماء اہل حدیث نے مولانا موصوف کو توجہ دلائی ہے۔ مگر انہوں نے اپنی اغلاط سے رجوع نہیں کیا ان اغلاط کی روشنی میں ان کو اہل حدیث کہا جا سکتا ہے؟

بشیر احمد بھٹی نواں کوٹ۔ لاہور

جواب :- مولوی ثناء اللہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں اہلحدیث ہوں لیکن طرز عمل ان کا اہل حدیث کے خلاف ہے تو پھر اہل حدیث ہونے کا دعویٰ ان کے منہ سے کس طرح زیبا ہو سکتا ہے۔ اہل حدیث تو قرآن و حدیث کے بعد اقوال سلف کو لیتے تھے۔ آپ اقوال سلف کی پرواہ نہیں کرتے۔ دیکھئے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں اور دیگر کئی رسائل میں اس نے کس طرح سلف کی مخالفت کی ہے۔ ہم اس کی چند مثالیں نقل کئے دیتے ہیں ان پر غور کر کے بتلائیں کیا وہ اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں۔

مثلاً انہوں نے اپنی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں فی لوح محفوظ کے معنی فی علمہ سبحانہ یعنی علم الٰہی کے لکھے ہیں۔ تو یہ عرب اول یعنی صحابہ نے نہیں سمجھے بلکہ وہ تو اس سے تختی سمجھتے رہے جس میں خیر و شر لکھی ہوتی ہے۔

اسی طرح انہوں نے اپنی تفسیر مذکور میں والنا له الحديد کے معنی یہ لکھے ہیں وعلمناه الانة الحديد (یعنی داؤد کو لوہے کے نرم کرنے کا طریقہ سکھایا یعنی آگ کے ساتھ[1]، حالانکہ یہ معنی اہل زبان صحابہ نے

---

[1] مولوی ثناء اللہ نے الکلام المبین کے ص۳ سے ص۵ تک اس معنی پر زور دیا ہے کہ آگ کے ساتھ لوہے کے نرم کرنے کا طریقہ سکھایا پھر ص۶ پر لکھتے ہیں کہ میری عبارت کے وہ معنے بھی ہو سکتے ہیں جو تفاسیر سلف سے ثابت ہیں چنانچہ فرماتے ہیں لوہا نرم کرنا سکھایا تھا یعنی یہ کہا تھا کہ لوہے کو ہاتھ میں یوں لٹکا کر دیکھ وہ نرم ہو جائے گا۔

مولوی ثناء اللہ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کی عبارت اس معنی کی متحمل نہیں کیونکہ آپ نے آیت کے حقیقی معنی (نرم کیا) چھوڑ کر مجازی معنی (تعلیم) کئے ہیں (جو نیچری وغیرہ کرتے ہیں جو معجزات سے منکر ہیں) تو اگر آپ کی وہی مراد ہوتی جو تفاسیر سلف سے ثابت ہے تو حقیقی معنی چھوڑ کر جس میں دوسرا احتمال نہیں، ایک مجازی معنی کرنا جس میں گمراہ فرقوں کا تمسک ہو اس کی کیا وجہ۔ کیا اسی کا نام تفسیر ہے ایسی تفسیر کر آپ ہی لکھتے ہوں گے۔ ورنہ دنیا تو اس کو تحریف کہتی ہے۔ ۱۲

نہیں سمجھے وہ تو یہی سمجھتے رہے کہ داؤدؑ کے ہاتھ میں لوہا موم کیا۔

اسی طرح وہ عند سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر یوں لکھتے ہیں۔ عند انتہاء مراتب الکمال الانسانی (یعنی انسان کے کمالات کے ختم ہونے کی جگہ) حالانکہ یہ معنی اہل زبان سے کسی نے نہیں سمجھے وہ تو بیری سمجھتے رہے جو ساتویں آسمان پر ہے چنانچہ بخاری مسلم وغیرہ میں صاف حدیث موجود ہے۔

اسی طرح والوزن یومئذ الحق کی تفسیر مقدار الاعمال بای وجہ کان کیساتھ کی ہے (یعنی اعمال کا اندازہ جس طرح ہو) اور ومن خفت موازینہ کی تفسیر حبطت اعمالھم کے ساتھ کی ہے (یعنی جن کے عمل حبط ہو گئے) حالانکہ سلف نے ان کے معنی یہ کئے ہیں کہ اعمال تولے جائیں گے اور حدیثوں میں بھی اعمال کے تولے جانے کا بہت ذکر ہے۔

اسی طرح اجعل علیٰ کل جبل منھن جزءاً کی تفسیر واحد او احدا کے ساتھ کی ہے (یعنی ایک ایک پرند پہاڑ پر رکھدے) گویا پرندوں کے ذبح سے انکار ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب الکلام المبین کے صفحہ ۳۲ میں لکھتے ہیں حکم ہوا کہ چار جانور لیکر ان کو اپنے سے ہلا پھر ان میں کا ایک ایک پہاڑ میں رکھ کر ان کو بلا وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ انتہیٰ

اور الکلام المبین کے صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں قرآن شریف میں حضرت مسیح کے معجزات کے متعلق جہاں کہیں مُردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے وہاں باذن اللہ کی قید برابر لگائی جاتی ہے۔ تاکہ سامعین کو اشتباہ نہ ہو مگر یہاں پر اس کے برخلاف ہے۔ ایک تو یہ قید نہیں[1] دوم احیاء یعنی زندہ کرنے کا ذکر نہیں۔ سوم بڑی بات

[1] ابراہیمؑ کے قصہ میں باذن اللہ کی قید اس لئے نہیں لگائی کہ زندہ کرنے کی نسبت ابراہیمؑ کی طرف نہیں کی بلکہ ابراہیمؑ کی طرف ٹکڑے کرکے پہاڑ پر رکھنے کی نسبت کی ہے جس کے اندر سے ذبح سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ ایک انسانی طاقت کا فعل ہے اس میں باذن اللہ کی ضرورت نہیں۔ اگر کہا جائے کہ یاتینک سعیا پرندوں کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو اس کے ساتھ باذن اللہ کی قید ہونی چاہیئے تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یاتینک سعیا پرندوں کا فعل اختیاری ہے۔ کیونکہ کبوتروں اور بازوں کو لوگ ہلاتے ہیں اور بلاتے ہیں تو اپنے اختیار سے دوڑے آتے ہیں پس اس میں بھی باذن اللہ کی قید کی ضرورت نہیں۔ ہاں ذبح اور دوڑ کرتے ہوئے آنا۔ ان دونوں کے ملانے سے زندہ ہونا لازم آجاتا ہے مگر قرآن مجید میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے ساتھ باذن اللہ کی قید کی ضرورت ہو اور اگر فرض کریں ہم مان لیں کہ صرف یاتینک پرندوں کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو بھی باذن اللہ کی قید کی اس کے ساتھ ضرورت نہیں کیونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

یہ قابل غور ہے کہ آیت میں صرف اتنا مضمون ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہے کہ تو ان کو بلا بس تیرے پاس چلے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔ اس میں پرندوں کی طرف نسبت ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مردہ اپنے آپ کو زندہ نہیں کر سکتا پس یہ ایسا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم بالساھرۃ۔

اس کے علاوہ ابراہیمؑ کے قصہ میں پرندوں کا زندہ ہونا سوال (کیف تحی الموتی) کے جواب میں ہے اور سوال میں خدا کی طرف نسبت ہے جو باذن اللہ کی قید سے بڑھ کر ہے پس اب جواب میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اسی سوال کا جواب ہے کوئی الگ زندہ کرنا نہیں جو اشتباہ ہو برخلاف مسیح کے معجزات کے کہ وہاں مسیح نے کوئی سوال نہیں کیا بلکہ مسیح علیہ السلام کا قصہ نصاریٰ کی تردید میں ذکر ہوا ہے جو مسیح کو خدا مانتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ وہاں باذن اللہ کی قید ہوتی برخلاف ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے کہ وہ اس غرض سے ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف کس طرح نکالتا ہے یہاں تک کہ اگر ذرا سا بھی طبیعت میں اضطراب ہو تو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اور اس سے پہلے عزیر کا قصہ بھی اسی غرض سے ذکر ہوا ہے اور اس سے پہلے نمرود کا قصہ ہے۔ اس سے یہ غرض ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کو روشنی سے اندھیروں کی طرف کس طرح لے جاتا ہے۔ گویا یہ تینوں قصے اوپر کی آیت کی تشریح ہیں جس میں ذکر ہے کہ اللہ اپنے دوستوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور شیطان اپنے دوستوں کو روشنی سے اندھیرے کی طرف نکالتا ہے پس ابراہیمؑ کو عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت محل احتیاط ہے۔ اس لئے بعض جگہ ایسی بات میں بھی باذن اللہ کی قید لگا دی ہے جو انسانی طاقت سے بالاتر نہ تھی جیسے ساتویں پارے میں ہے واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی یعنی تو میرے اذن سے پرندے کی شکل بناتا تھا: پرندے کی شکل بنانا انسان سے کچھ بعید نہیں تو اگر باذنی کی قید یہاں نہ ہوتی تو اس میں کچھ اشتباہ نہ تھا صرف نصاریٰ کی تردید میں مبالغہ کرنے کے لئے یہ قید ذکر کر دی ہے۔ اگر اشتباہ کے دور کرنے کے لئے ذکر ہوتی تو جیسے پرندہ ہونے کے ساتھ اور احیاء موتیٰ کے ساتھ سب جگہ ذکر ہے۔ اسی طرح پرندے کی شکل بنانے کے ساتھ بھی سب جگہ ذکر ہوتی۔ حالانکہ تیسرے پارے میں شکل بنانے کے ساتھ ذکر نہیں بلکہ ابرئ الاکمہ والابرص میں بھی مبالغہ کی خاطر ذکر ہوئی ہے نہ اشتباہ کی خاطر کیونکہ احیاء موتیٰ الٰہی سے پرندہ بن جانے کی نسبت یہ بھی عملی ہیں خصوصاً جس زمانے میں طبابت کا زور ہو یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ بھی تیسرے پارے میں یہ قید ذکر نہیں ہوئی ملاحظہ ہو فتح البیان وغیرہ ۱۲

؎ زندہ کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے کیونکہ قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے کہ پرندے ٹکڑے کئے گئے چنانچہ آیۃ کریمہ ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا ، اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جزء کے معنی ٹکڑے کے ہیں اگر ٹکڑے نہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہی سے وہ تیرے پاس بھاگتے چلے آویں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جانوروں میں کوئی غیر معمولی حرکت پیدا نہیں ہوئی تھی جس کی بابت خدا تعالیٰ کوئی مزید قید لگاتا بلکہ صرف اتنی ہی تھی جو انسانی طاقت میں ہے۔ مختصر یہ کہ نہ قرآن میں نہ کسی حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ جانوروں کو حضرت ابراہیم نے ذبح یا قطع کیا تھا پھر بعد قطع ہونے کے وہ زندہ ہوتے تھے۔ انتہیٰ

اور الکلام المبین کے ص۳۲ میں لکھتے ہیں جانوروں کا مر کر یا منقطع ہو کر زندہ ہونا چونکہ نہ تو قرآن مجید کی نص سے نہ حدیث سے اس کا ثبوت ہے اس لئے ہم نے یہ معنی کئے ہیں۔ انتہیٰ

غرض پرندوں کے ذبح ہونے سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو صاف انکار ہے۔ حالانکہ ابو مسلم معتزلی[۲] سے پہلے کسی نے پرندوں کے ذبح ہونے سے انکار نہیں کیا[۳]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ ... نہ کئے جاتے تو جزء کا لفظ استعمال نہ ہوتا اور مولوی ثناء اللہ نے جو اس کے معنی واحد کے کئے ہیں تو اول یہ ثابت نہیں اگر ثابت ہو جائیں تو مجازی ہوں گے جب حقیقی معنی بن سکیں تو مجازی نہیں لئے جاتے اس کی زیادہ تفصیل چاہئے رسالہ درایت تفسیری اور اشتہار طیور ابراہیمی میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

ے صرف اتنا نہیں بلکہ ٹکڑے کرنا بھی ثابت ہے جیسے ابھی گزر رہا ہے۔ ۱۲

ے ابو مسلم معتزلی نے دلیل یہ دی ہے کہ اگر پرندے ذبح کئے جاتے تو قرآن مجید کی عبارت یوں ہوتی ثم اجعل علی کل جبل من کل واحد منهن جزء مگر یہ دلیل ابو مسلم کی عربیت سے ناواقفی پر دلیل ہے کیونکہ منهن میں جمع کی ضمیر ہے جو افراد پر دلالت کرتی ہے تو پھر من کل واحد کی کیا ضرورت ہے بلکہ منهن کی جگہ من کل واحد کہنے میں دو نقص ہیں ایک لفظی ایک معنوی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جزء مراد ہونے کی کل دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چاروں پرندوں کو ذبح کر کے ان کو ملا کر شئی واحد قیمہ کر دیا جائے پھر چار حصے کر کے ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھے دوسری یہ کہ چاروں پرندے جدا جدا ہر ایک کے چار چار ٹکڑے کر کے ہر ایک کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھے اور یہ ظاہر ہے کہ پہلی صورت بہ نسبت دوسری کے زیادہ قدرت کی دلیل ہے کہاں چار ٹکڑوں الگ الگ آپس میں ملکر زندہ ہونا اور کہاں بہت سے ٹکڑوں کا ملکر زندہ ہونا جن کے دوسری شئی کے ٹکڑوں سے متحد ہیں۔ اب من کل واحد میں ایک نقص تو یہ ہے کہ وہ پہلی صورت کو شامل نہیں جو زیادہ قدرت کی دلیل ہے یہ تو معنوی نقص ہے۔ اور لفظی نقص یہ ہے کہ عبارت طویل ہو جاتی ہے اور منهن ان دونوں نقصوں سے پاک ہے۔ اگر جزء کی پوری تحقیق منظور ہو تو ہمارا رسالہ درایت تفسیری ملاحظہ کریں۔ ۱۲ ے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر وغیرہ ۱۲

ے اس غلطی سے مولانا ثناء اللہ نے رجوع کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرت کے دلائل میں گنجائش کی مجال ہے مگر جمہور مفسرین نے فیصلہ کر دیا ہے کہ واقعی غلطی ہے (حاشیہ فیصلہ آرہ ص ۱۹) ہم نے اس کا ذکر یہاں اس لئے کیا ہے کہ ان کو دلیل سے رجوع نہیں کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ جمہور مفسرین کا فیصلہ ہے نہ کہ دلیل کا۔ فافہم۔ ۱۲

اسی طرح تفسیر مذکور میں وظللنا علیهم الغمام کے معنی یہ لکھے ہیں ارسلنا السماء علیهم مدرارا (یعنی ہم نے ان پر بارش اتاری تھی) حالانکہ سلف نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کیا اور یہ موسیٰ کا معجزہ تھا۔

اسی طرح فبدل الذین ظلموا کی تفسیر یوں کی ہے ای خالفوا ما امروا بہ من التوکل والاستغفار (یعنی ان کلمات کو بدلنا یہ تھا کہ توکل اور استغفار کا جو حکم ہوا تھا اس کی مخالفت کی) حالانکہ حدیث میں جو اس کی تفسیر کی ہے۔ کہ سجدے ——— کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حطۃ کی جگہ حنطۃ کہا۔

اسی طرح قالت ھو من عند اللہ کی جگہ بطور کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کانت تنسب ما کان عندھا الی اللہ لقولہ تعالیٰ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ (یعنی جو مریم علیہا السلام کے پاس تھا اس کو اللہ کی طرف نسبت کرتی تھی کیونکہ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو گویا مریم علیہ السلام کی کرامت ثابت نہیں ہوتی۔ اسی واسطے حاشیہ میں صاف لکھتے ہیں کہ

فلیس فیہ دلیل علی ان مریم الصدیقۃ کان یاتیہا فاکھۃ الصیف فی الشتاء وفاکھۃ الشتاء فی الصیف۔

"اس آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ مریم علیہ السلام کے پاس گرمی کے میوے سردی میں اور سردی کے میوے گرمی میں آتے تھے۔"

اسی طرح حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای یحرقہ الکاھن بالنار (یعنی قربانی کو کاہن آگ کے ساتھ جلا دے) حالانکہ سلف نے اس کی تفسیر آگ آسمانی کے ساتھ کی ہے۔

اسی طرح یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانہا کی تفسیر میں یوم الموت لکھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ شمس کا طلوع مغرب سے مراد ہے۔

اسی طرح سخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر کی تفسیر تذکرہ حین غفلتہ کے ساتھ کی ہے۔ (یعنی پہاڑ اور پرندے داؤد علیہ السلام کو غفلت کے وقت یاد دلاتے تھے) پھر اس پر یہ شعر پیش کیا ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہشیار ❊ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

یعنی پہاڑوں اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا یہی تھا کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا تو گویا داؤد علیہ السلام کا کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ تمام صلحاء کا یہی حال ہے۔

اسی طرح واتخذ سبیلہ فی البحر سربا کی تفسیر میں لکھتے ہیں شقالک یسبح الحوت بجا طبعیا۔ (یعنی مچھلی جیسے طبعی طور پر تیرتی ہے ویسی تیری) (یعنی اس کے تیرنے سے پانی میں سرنگ نہیں بنی) اسی واسطے واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا کی تفسیر میں لکھتے ہیں فتعجب یوشع من سرعتہ (یعنی یوشع نے مچھلی کی تیز رفتاری سے تعجب کیا) حالانکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ سرنگ کی وجہ سے تعجب ہوا تھا نیز مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ مچھلی لنک لگی ہوئی یعنی بھنی ہوئی تھی اور ٹوکرے میں رکھ کر ساتھ لے گئے تھے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ مردہ تھی خضر علیہ السلام کی جگہ پہنچے تو زندہ ہو کر پانی میں داخل ہو گئی مولوی ثناء اللہ اس سے صاف انکاری ہیں چنانچہ ترک اسلام طبع اہلحدیث امرتسر ص۱۱۳ میں دھرم پال آریہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بتلائے اس آیت میں بھنی ہوئی کس لفظ کا ترجمہ ہے" انتہی

پھر آگے چل کر ص۱۱۴ میں لکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سفر کو چلے تو خدا کے حکم سے ایک مچھلی کو پانی کے برتن میں رکھ لیا۔

پھر اسی صفحہ میں چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں اصل میں آپ بھی معذور ہیں قرآن شریف کو قرآن کی اصلی زبان میں تو پڑھا نہیں معمولی انگریزی یا اردو میں ترجمہ دیکھا اور کسی غیر محقق واعظ یا محلہ کی کسی بڑھیا سے سن لیا کہ مچھلی بھنی ہوئی تھی" انتہی

ناظرین خیال فرمائیں کہ کس قدر دلیری کے کلمے ہیں گویا نبی علیہ السلام کے ارشاد مبارک کو کسی واعظ غیر محقق کا یا محلہ کی کسی بڑھیا کا مقولہ بتاتے ہیں۔ معاذ اللہ

یہ چند مثالیں بطور مشتے نمونہ از خروارے ہم نے ذکر کی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں جن میں انہوں نے سلف کے بلکہ حدیث کے بھی خلاف تفسیر کی ہے بلکہ خلاف کرنا تو کجا خلاف کرنے کو دیوانوں کا حصہ کہا ہے چنانچہ خاندان غزنویہ نے جب ان کو یہ الزام دیا کہ آپ کی تفسیر مفسرین (سلف) کے خلاف ہے تو وہ ان کے جواب میں "الخلیفۃ المبین" کے صفحہ ۲ میں لکھتے ہیں۔ مفسرین کے خلاف کا ذکر تو دیوانوں کا حصہ ہے اس سے تو نابالغ ڈرا کرتے ہیں (انتہی) (اہلحدیث امرتسر)

اب بتلائیے کہ ان کے اہلحدیث ہونے کے دعوے میں اور مقلدین بلکہ متعصبین کے اس دعویٰ میں کہ ہمارا فرقہ قدیمہ ہے کیا فرق ہے ؎

تیروں کو دیکھ کر مری رفتار کو دیکھ کر بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور تقلید شخصی

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو ایک خط لکھا جس کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ میلادِ مروجہ میں ذکرِ ولادت کے علاوہ بہت سی تخصیصات اور قیودات ہیں جیسے خاص دنوں میں ہونا مجمع میں ہونا، اس کے لئے فرش فروش اور روشنی کا انتظام ہونا ذکر کے لئے خاص طریق مقرر ہونا اور پھر ایک موقعہ پر پہنچ کر سب مجمع کا کھڑے ہوجانا۔ اس قسم کی تخصیصات اور قیودات کی وجہ سے مولوی اشرف علی صاحب کو کچھ اشتباہ ہوگیا اس اشتباہ کو دور کرنے کے لئے انھوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو یہ خط لکھا جس کے ضمن میں تقلید کا ذکر بھی آگیا، یہ خط بہت طویل ہے۔ ہم بقدرِ ضرورت نقل کرتے ہیں، اس کے بعد مولوی رشید احمد صاحب کا جواب نقل کریں گے۔ انشاء اللہ

مولوی اشرف علی صاحب کے خط کی نقل

"اب اس وقت دو امر قابلِ عرض ہیں کہ تقلید مطلق کی کیا مطلقاً ممنوع ہے یا جبکہ اس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے اور اگر مندوب وموجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب وموجب قرب سمجھا جاوے۔ در صورتِ اولیٰ تقیدات عادیہ میں شبہ ہوگا اور صورتِ ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بنا بر مصلحۃ یا عادت سمجھا جاوے تو فی نفسہٖ اس میں قبیح نہ ہوگا اگر ضروری بر فسادِ عقیدہ عوام ہوا اس میں قبیح بغیرہٖ ہوگا لیکن اسکا فاعل زبان سے اصلاحِ عقیدۂ عوام یا اعلان کرتا ہے اس وقت بھی رہیگا یا نہیں؟ اگر نہ رہیگا فبہا اور اگر رہے گا تو اس صورت میں بعض اعمال ہیں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہراً ان کی عقیدت میں ان کی نسبت غلو و افراط بھی ہے اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا وجوب شرعیہ بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ خواص میں اس پر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں ایسے اعمال میں شبہ واقع ہوگا، مثلاً تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً وعملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب وسنت کے ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل وفتوے وجوب

اس کا مؤید ہے گو خود ان کو علی سبیل الفرض اس قدر غلو نہ ہو اور دلیل ثبوت اس کی یہ مشہور ہے کہ ترکِ تقلید سے مخاصمت و منازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے سو مؤدی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اس کی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء و کثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت و منازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے۔ غرض اتفاق و اختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا مترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرتِ مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔ بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرونِ ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا۔ اگر اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائرہ منحصر ان چاروں میں ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوا ہی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے۔ دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہ ہوا البتہ ایک واقعہ میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جانے باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان و وجوب مشہور و معمول ہے۔ ہم اس کا قبح کس طرح رفع ہوگا؟ انتہی عبارتہ (تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳۰-۱۳۱)

مولوی رشید احمد صاحب کا جواب

• از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند خط آپ کا آیا بظاہر آپ نے

جملہ مقدمات محررہ بندہ کو تسلیم کر لیا اور قبول فرما لیا البتہ تقلید شخصی کی نسبت کچھ تردد آپ کو باقی ہے لہذا اس کا جواب لکھواتا ہوں مقید با مر مباح ہیں اگر مباحات حد سے نہ گذرے یا حرام کو خرابی دین میں نہ ڈالے تو جائز ہے اور اگر دونوں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا۔ اس مقدمہ کو خود تسلیم کرتے ہو۔ اب تقلید کو سنو۔ کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالٰے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اور بوجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بسبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع گویا اس میں لازم ہے کہ طعن علماء مجتہدین و صحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے۔ ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے اور اس پر ان کا مرتکب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا لہذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ ہو گئی پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہو گئی اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی دو نوع ہیں شخصی و غیر شخصی۔ شخصی بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدون لئے کسی فرد کے محال ہے پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہو گئی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول بدون اسی ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا ان سے واجب ہوگا۔ اور اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع اس نقصان سے سالم ہو تو وہی نوع خاصتہً مامور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کو ترک کرنا واجب ہوگا نہ اس فرد کا۔ یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہاء نے کتابوں میں منع لکھا ہے۔ مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اس کی تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی۔ مگر اتنا دیکھنا چاہیئے کہ تقلید شخصی و غیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت و غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ یہ فصول ذاتیات میں داخل

ہیں نا پس اس کا حال قیودِ مجلس میلاد سے جُدا ہے بادی النظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں ورنہ اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکرِ ولادت جدا شئے ہے اور فرش فروش روشنی وغیرہ قیود مجوزہ کوئی فصل ذکر کی نہیں بلکہ امور منضم ہیں کہ بدون ان کے ذکرِ ولادت حاصل ہو سکتا ہے۔ سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے لہذا اُوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا تو جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز۔ اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزء بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے۔ یہ کلیہ فقہ کا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل تقریر کا جواب حاصل ہو گیا ہوگا جو آپ نے دربارۂ تقلید لکھی ہے لہذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے کیونکہ تم خود فہیم ہو۔" انتہیٰ کلامہٖ۔ (تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صفحہ ۱۳۲-۱۳۳)

محدث روپڑی صاحب فرماتے ہیں:۔

مولوی رشید احمد صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون میں مطلق تقلید کا حکم ہے اور اس کی دو نوع ہیں شخصی اور غیر شخصی۔ غیر شخصی اگرچہ کچھ مدت تک جاری رہی مگر بعد ایک مدت کے اس میں مفاسد پیدا ہو گئے اس لئے یہ ممنوع ہو گئی اور تقلید شخصی واجب ہو گئی کیونکہ مطلق تقلید کے ادا کرنے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے اور اس میں بھی کچھ مفاسد پیدا ہوں تو ان مفاسد کو دور کرنا چاہیئے۔ نہ کہ تقلید شخصی کو حرام کہا جائے!

ناظرین خیال فرماویں کہ اس جواب میں مولوی رشید احمد صاحب نے کیسے آنسو پونچھے ہیں۔ اتنا خیال نہیں کیا کہ جب تقلید غیر شخصی مفاسد کی وجہ سے ممنوع ہو گئی تو تقلید شخصی کیوں ممنوع نہ ہوگی اور جیسے تقلید شخصی سے پیدا شدہ مفاسد دُور ہو سکتے ہیں تو تقلید غیر شخصی سے مفاسد کیوں دُور نہیں ہو سکتے؟ اگر یہ خیال ہو کہ تقلید غیر شخصی میں مفاسد زیادہ ہیں تو یہ بھی خلاف واقعہ ہے چنانچہ ہم نے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۵۴ تک اس کی کافی تفصیل کی ہے اور مولوی اشرف علی صاحب کا

مذکورہ بالا خط بھی اس کا شاہد عدل ہے بلکہ تقلید غیر شخصی میں قطعاً مفاسد نہیں کیونکہ خیر قرون کی روش ہے اور جو مفاسد مولوی رشید احمد صاحب نے ذکر کئے ہیں وہ درحقیقت خیر قرون کی روش کی مخالفت سے پیدا ہوتے ہیں، خواہ اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ تقلید شخصی شروع کردی ہو یا اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ قرآن وحدیث کا مطلب سلف کے خلاف سمجھا ہو۔ اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ اپنی پیدائش وفات، بیاہ، شادی وغیرہ میں افراط و تفریط سے کام لیا ہو۔ بہرصورت سب مفاسد کا منبع مخالفت سلف ہے، موافقت سلف اگر مفاسد کا منبع ہو تو ان کو خیر قرون کہنا ہی صحیح نہیں کیونکہ خیر قرون کے معنے یہ ہیں کہ ان کی روش سب روشوں سے بہتر ہے۔

پھر اخیر میں مولوی رشید احمد صاحب نے میلاد مروجہ اور تقلید میں جو فرق بتلایا ہے کہ "ذکر ولادت ان قیود کے بغیر ہو سکتا ہے اور تقلید کا وجود بدوں ان فصول شخصیت اور غیر شخصیت کے محال ہے۔" یہ بھی غلط ہے کیونکہ خیر قرون میں (حسب زعم ان کے) تقلید تھی اور شخصیت نہ تھی اور مقلدین میں تقلید ہے اور غیر شخصیت نہیں، پس دونوں کے بغیر تقلید کا وجود پایا گیا۔

اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ تقلید کا وجود ہو اور وہاں نہ شخصیت ہو نہ غیر شخصیت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے شخصیت کے ساتھ غیر شخصیت کو لیا ہے اسی طرح میلاد میں قیود کے ساتھ غیر قیود کو لیا جائے تو تقلید میں اور میلاد میں کچھ فرق نہیں رہے گا، یعنی جیسے تقلید میں شخصیت اور غیر شخصیت سے ایک کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ذکر ولادت میں قیود اور غیر قیود سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے شخصیت غیر شخصیت فصل ہیں اسی طرح قیود غیر قیود بھی فصل ہوں گے۔

یہ جواب تو مولوی رشید احمد صاحب کی روش کے موافق تھا اب اصل تحقیق سنیئے :-

اصل تحقیق

مولوی رشید احمد صاحب نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے اور تقلید کی خاصیت ہی ایسی ہے کہ اس کے مرتکب کو سیدھی بات نہیں سوجھتی کیونکہ تقلید خود ایک ٹیڑھا راستہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ شخصیت کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ جب مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو تو کسی شخص سے پوچھے غیر شخص سے

نہ پوچھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ شخصیت محل نزاع نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دُنیا میں جو بے شخص ہی ہے نہ کہ غیر شخص تو غیر شخص سے پوچھنے کی کوئی صورت نہیں۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ پوچھنے کے لیے ایک شخص کو معین کر لے۔ یعنی دل میں اس بات کا التزام کرے کہ ہر مسئلہ فلاں شخص سے پوچھوں گا یہ شخصیت محل نزاع ہو سکتی ہے اور ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں غیر شخصیت ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اس قسم کا التزام نہ کرے۔ خواہ ایک سے پوچھنے کا اتفاق ہو یا کئی ایک سے اتفاق ہو تو اس کا غیر شخصیت ہونا ظاہر ہے۔ اگر ایک سے اتفاق ہو تو اس کے غیر شخصیت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے التزام نہیں کیا مثلاً وہ ایک جگہ رہتا ہے اور وہاں ایک ہی عالم ہے تو اس سے ہمیشہ مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتا ہے مگر دل میں یہ التزام نہیں کہ اگر کوئی دوسرا عالم یہاں آجائے یا مجھے دوسری جگہ جانے کا اتفاق ہو تو پھر بھی اسی کا مسئلہ مانوں گا تو یہ صورت غیر شخصیت ہی ہوگی کیونکہ اس نے شخص معین کا التزام نہیں کیا بلکہ اتفاق ایسا ہو گیا کہ وہ ایک ہی سے پوچھتا رہا:

جب شخصیت کے دونوں معنے معلوم ہو چکے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ دوسرا محل نزاع ہے نہ کہ پہلا تو اب بتلائیے کہ اس التزام کو مسئلہ پوچھنے میں کیا دخل ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی دخل نہیں جیسے میلاد مروّج میں ذکرِ ولادت کے ساتھ قیود زائد لگے ہوتے ہیں جن کو مولوی رشید احمد صاحب نے امور منضم کہا ہے اسی طرح کسی سے مسئلہ پوچھنے کے ساتھ اس قسم کا التزام ایک قید زائد یا امر منضم ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ میلاد مروّج کو تو بدعت کہا جائے اور تقلید شخصی متنازعہ فیہ کو بدعت نہ کہا جائے۔

منطقی اصطلاحات میں ڈبل غلطی

مولوی رشید احمد صاحب نے اس جگہ منطقی اصطلاحات میں بڑی ڈبل غلطی کی ہے۔ خدا جانے عبارت دیکھی یا تقلید کے اثر سے ایسا ہوا۔ دیکھیے شخصیت کے معنے میں دھوکہ کھا کر اس کو فصل قرار دینا تو الگ رہا اس کے مقابلہ میں غیر شخصیت کو بھی فصل قرار دے رہے ہیں حالانکہ غیر شخصیت مفہوم عدمی ہے جو کسی صورت وجودی شے (تقلید) کا فصل[1] بننے کے قابل نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر دیکھئے یہ کس قدر

[1] اگر کہا جائے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کلام میں شخصیت غیر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہے صرف فرق اتنا ہے کہ شخصیت میں اس بات کا التزام ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی سے پوچھوں گا کوئی مسئلہ کسی سے۔ پس جب (باقی حاشیہ)

غلطی کی ہے کہ فرماتے ہیں: "مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" اور اس کی دو نوع شخصی اور غیر شخصی قرار دی ہیں اور یہ خیال نہیں کیا کہ جس مطلق تقلید کا امر اس آیت میں ہے وہ غیر شخصی ہے کیونکہ التزام کی قید نہیں اور قرآن و حدیث میں جو قید نہ ہو اس قید کا اضافہ کرنا قرآن و حدیث کی مخالفت ہے تو پھر غیر شخصی اس کا نوع کیسے بنی؟ اگر اس کو اصولی طور پر سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ نور الانوار وغیرہ میں لکھا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن۔ اس آیت میں مطلق قرأت کا حکم ہے تو حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) غیر شخصیت سے اور بھی التزام ہو تو بوجہ وجودی ہونے کے اس کا فصل دینا صحیح ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کلام میں غیر شخصیت کا یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ شخصیت غیر شخصیت دونوں فصلیں ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے۔ اگر شخصیت غیر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہو تو ان دونوں کے بغیر تقلید پائی جاتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ التزام نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے خواہ ایک سے اتفاق پڑے یا کئی ایک سے چنانچہ ابھی تفصیل ہوئی ہے پس شخصیت غیر شخصیت فصول نہ رہے کہ بغیر ان کے تقلید کا وجود محال ہو نیز مولوی رشید احمد صاحب کہا ہے کہ "مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اور بوجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ انسان بسبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے۔"

یہ عبارت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ غیر شخصیت سے مراد التزام نہیں کیونکہ جو غیر شخصیت پہلے زمانہ میں تھی (جس سے بعد ایک مدت کے مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک مفاسد پیدا ہونے شروع ہو گئے) وہ التزام نہ تھی بلکہ وہ یہی تھی کہ جس سے اتفاق پڑتا مسئلہ پوچھ لیتے خصوصاً خیر قرون کے زمانہ میں پس غیر شخصیت سے مراد التزام ہونا مولوی رشید احمد کے کلام میں صحیح نہیں پھر غیر شخصیت یعنی التزام کو شخصیت کے مقابل قرار دینا فضول ہے کیونکہ فرقہ اہلحدیث اس غیر شخصیت کا قائل نہیں جس کی طرف مولوی رشید احمد صاحب اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنے دین سے لاابالی ہو جاتے ہیں۔"

اس کے علاوہ اس صورت میں جتنے اعتراضات شخصیت پر ہیں وہ سب غیر شخصیت پر بھی ہوں گے مثلاً میلاد مروجہ کی طرح اس میں قید زائد (التزام) کا ہونا اور بوجہ اس کے اس کا فصل دینا اور اس کا نوع مامور بہ نہ رہنا اور خیر قرون بلکہ اجماع کے خلاف ہونا بلکہ آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر اور حدیث انما شفاء العی السؤال کے بھی خلاف ہونا اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کہ امام نماز سے سلام پھیر کر ایک طرف بیٹھنے کا التزام نہ کرے اس کے بھی خلاف ہونا اور بوجہ بدعت ہونے کے بہت سے مفاسد کا اس پر مرتب ہونا چنانچہ تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں

صفحہ ۹۳ سے ۱۰۵ تک ہم نے اس کی تفصیل کی ہے۔ (۲۰)

کے ساتھ اگر فاتحہ کی تعیین کی جائے تو یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو نسخ ہے۔ پس اسی طرح تقلید شخصی کو فاسئلوا اھل الذکر کے خلاف سمجھنا چاہیئے نہ کہ مامور بہ میں داخل ہے بلکہ زیادہ خلاف سمجھنا چاہیئے۔ کیوں کہ تقلید کی بابت تو کوئی حدیث بھی نہیں آئی۔

اگر اور وضاحت کی ضرورت ہو تو سنیئے:۔

عام بول کر خاص من حیث الخاص کا ارادہ کرنا مجاز ہے کیونکہ اس کی حیثیت سے یہ خاص لفظ کا موضوع نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ لفظ کو مجازی معنے پر حمل کرنا اس لفظ کی مخالفت ہے اسی لئے مجازی معنے کے لئے کوئی قرینہ قائم کرنا پڑتا ہے جب خاص کر یہ حالت ہے تو بتلایئے کہ تقلید شخصی جس کی حقیقت میلاد مروّج کی طرح از خود سے پیدا ہوئی ہے، اس آیت میں نوع مامور بہ کس طرح بنی! ؎

جو کہتا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر مرد نعمانی
چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اسی لئے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۵۷ تک ہم نے بڑے زور شور سے لکھا ہے کہ تقلید شخصی قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہؓ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے۔ اور آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر وغیرہ میں جس سوال کا ذکر ہے اول تو وہ تقلید ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی اتباع ہے اگر کوئی زورا زوری اس کا نام تقلید رکھ لے تو اس کی خوشی، وہ خواہ مجتہد کو بھی مقلد کہہ دے کیونکہ مجتہد بھی قرآن و حدیث کی اتباع کرتا ہے وہیچ ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ایک بات یہاں اور سنیئے، جس تقلید کی نسبت اصل نزاع ہے وہ چار اماموں کی تقلید ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کسی امام سے مسئلہ پوچھنے کے وقت یوں کہا جائے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے؟ اور آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر میں جس سوال کا ذکر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ علم نہ ہو تو کسی علم والے کو کہے کہ اس مسئلہ میں خدا و رسولؐ کا کیا ارشاد ہے نہ کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم . . . . امام ابوحنیفہؒ کو یا کسی اور امام کو وسکا یوں کہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ[۱]

---

[۱] اگر کہا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا قول پوچھنے سے مقصود خدا و رسولؐ ہی کا حکم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بحث (باقی صفحہ پر)

کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے۔ اب بتلایئے کہ اس آیت کو تقلید متنازعہ فیہ سے کیا تعلق؟ اگر امام صاحبؒ زندہ ہوتے تو ان سے یہی سوال ہوتا کہ اس مسئلہ میں خدا و رسولؐ کا کیا ارشاد ہے۔ اور اھل الذکر میں ذکر سے مراد کتاب اللہ ہے۔ یہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ خدا و رسول ہی کا ارشاد پوچھے۔ بلکہ ان کنتم لا تعلمون کے بعد بالبینات والزبر ہے وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے اور مسلمان کی شان بھی یہی ہے کہ خدا و رسولؐ کا ارشاد پوچھے نہ کہ کسی امام کے مذہب کا التزام کر کے یوں سوال کرے کہ فلاں امام کا کیا ارشاد ہے۔ پھر خدا جانے اس آیت کو محل متنازعہ فیہ میں کیوں پیش کیا جاتا ہے اس آیت میں نہ اس التزام کا کوئی ذکر ہے نہ اس طرح سوال کرنے کا کوئی اشارہ ہے۔ ان باتوں پر اس آیت سے استدلال کرنا الفاظ آیت سے نہایت بعید ہے تعجب ہے کہ اصول فقہ میں تو خبر واحد سے مطلق کو مقید کرنے کی اجازت نہیں دی یہاں اپنی طرف سے ہی سب تصرفات ہو رہے ہیں۔

؎ جہاں ہمارا ہوا جلال　　گدھا تجھے سبھی حلال

واللہ! ہمیں رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ ایک کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو طرح سے کرتے ہیں۔ جیسے نماز سے سلام پھیر کر کبھی دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا کبھی بائیں طرف اس میں ایک جانب کا التزام تو شیطانی کام ہو جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ اور ایک دوسرا کام جس پر عمل ہونا تو کجا قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہؓ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے بلکہ اصول فقہ کے بھی خلاف ہے۔ اس کو آج رحمانی کام کہا جاتا ہے بلکہ اعلیٰ سے بھی اعلیٰ درجہ تک پہنچایا جاتا ہے یعنی فرض خیال کیا جاتا ہے

؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ناظرین! خیال فرمائیں کہ اقتدار کے گدی نشینوں کی بے خبری آج کہاں تک نوبت پہنچا رہی ہے غیر اور علوم خاص کر قرآن و حدیث سے ان کی بے خبری تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ تقلید کی اندھیری

(بقیہ حاشیہ ص ۸۸) و نیز اماموں سے غلطی کی وجہ سے قرآن و حدیث کا خلاف ہو جاتا ہے تو پھر ان کا ہر قول خدا و رسولؐ کا حکم کس طرح ہوا؟ پھر جب مقصود خدا و رسولؐ ہی کا حکم ہے تو خدا و رسولؐ ہی کا نام کیوں نہ لے اُلٹا کان پکڑنے سے کیا فائدہ؟ کہ مقصود کچھ اور لفظ کچھ نیز سارے دین کا دارو مدار ایک شخص پر رکھ کر اسی کے مذہب کا التزام کر کے ہر مسئلہ میں اسی کا قول پوچھنا اس کا کیا ثبوت بلکہ خیر قرون کی روش کے خلاف ہے پس یہ آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر پر عمل نہیں بلکہ اسکی مخالفت ہے ۱۲

کوٹھڑی میں پڑے ہیں مگر جب ہم ان کے اصول فقہ میں جو ان کے تقلیدی مذہب کی روحِ رواں ہے۔ کمزور پاتے ہیں تو بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی

شیطان غیر مُقلّد ہے؟

سوال :۔ مولوی مرتضیٰ حسن نے العدل مجریہ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۶ء میں لکھا ہے کہ

"قول خدا اور حدیث رسول حکم ہے اور حکم اور ہوتا ہے اور دلیل اور۔ آدم کو سجدہ کرو۔ یہ حکم اپنے نفس کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا جو اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کے لئے دلیل ہے وہ یہاں مذکور نہیں اس وجہ سے اس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی، بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے۔ اور شیطان نے اس حکم کو بلا دلیل نہ مانا غیر مقلد ہو کر کافر و مرتد ہو گیا"۔ ان کا یہ لکھنا کس حد تک درست ہے؟　　　　ایک سائل

جواب :۔ شیطان چونکہ بحکم آیۃ کریمہ افرأیت من اتخذ الٰهه هواه (الآیۃ) اپنی ہوا کا مقلد ہے۔ اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو شیطان کا مقلدین کے ساتھ ہونا ناگوار معلوم ہوا۔ اس لئے انہوں نے اس کے غیر مقلد بنانے کی کوشش کی جس کی صورت انہوں نے یہ اختیار کی کہ تقلید کا معنیٰ بدل دیا۔ یعنی یوں کہا کہ اس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے حالانکہ تقلید کا یہ معنیٰ آج تک کسی نے نہیں کیا یعنی تقلید کی تعریف میں یہ کسی نے شرط نہیں کی کہ قول کے ساتھ اس کے واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہ ہو بلکہ اگر قول کے ساتھ دلیل ذکر ہو مگر وہ سمجھ میں نہ آوے اور اس حالت میں اس قول کو بغیر معرفت دلیل کے تسلیم کر لیا جائے تو فقہا کی تعریف کے مطابق یہ تقلید ہوگی کیونکہ فقہا کے نزدیک تقلید یہ ہے کہ معرفت دلیل کے بغیر کسی قول کا لینا۔ اور اگر دلیل ذکر نہ ہو مگر قول سنتے ہی دلیل کی طرف ذہن منتقل ہو جائے تو ایسی حالت میں اس قول کا تسلیم کرنا فقہا کے نزدیک تقلید نہ ہوگی کیونکہ قول کو بغیر معرفت دلیل کے نہیں لیا۔ غرض دلیل کے ذکر عدم ذکر کو تقلید کی تعریف میں کوئی دخل نہیں۔ قولِ خدا کے واجب التسلیم ہونے کی دلیل چونکہ قائل کا خدا ہونا ہے جس کی طرف ہر ایک کا ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے اس لئے شیطان اگر اس کو تسلیم

کرتا تو مقلد نہ ہوتا بلکہ نہ تسلیم کرنے کی صورت میں مقلد ہونا لازم آتا ہے چنانچہ شیطان نہ تسلیم کرکے بحکم آیہ کریمہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ (الآیہ) ہوا کا مقلد ہوگیا۔

سوال:۔ مولوی مرتضیٰ حسن نے لکھا ہے کہ

"شیطان یعنی یا تو خداوند کے قول اور اس کی حکومت کی وجہ سے اس کے قول کو مطلقاً واجب التسلیم نہیں جانتا تھا یا جانتا تھا مگر یہ شرط تھی کہ وہ قول موجّہ اور حکمت کے موافق ہو۔ اس کے قول کو عین حکمت نہیں جانتا تھا ورنہ انکار نہ کرتا اور تعمیل بھی کرتا ورنہ اگر تعمیل نہ ہوتی تو انکار تو ضرور نہ ہوتا۔ اب ارشادِ خداوندی اسجدوا لآدم اس کے نزدیک بے دلیل تھا۔ اب وہ سجدہ کرتا تو تقلید ہوتی اور تقلید اس کے نزدیک ناجائز تھی۔ لہٰذا وہ ترک تقلید کی وجہ سے کافر مرتد سب کچھ ہوا مگر اس نے اس قول کو بلا دلیل تسلیم نہ کیا۔" العدل ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء

مولوی مرتضیٰ حسن کی اس تحریر کے متعلق وضاحت فرمائیں؟

جواب:۔ مولوی مرتضیٰ حسن کے خیال میں شیطان باوجود خدا کو خدا ماننے کے اور باوجود فرشتوں کا استاد ہونے کے یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا عبث اور بیہودہ سے پاک ہے، غلطی سے مبرا ہے جس کا قول عین حکمت ہے۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ شیطان نے انکار کیا اگر خدا کا قول عین حکمت سمجھتا تو انکار نہ کرتا۔ اور اتنا نہیں سمجھے کہ جس نے سرکشی پہ کمر باندھی ہو وہ باوجود علم کے بھی انکار پر اَڑا رہتا ہے۔ کیا ضد اور ہٹ دھرمی کا بھی کوئی علاج ہے؟ میرے خیال میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے نزدیک شیطان انصاف پرست تھا۔ معاذ اللہ۔

یہ تو ایسا ہوا جیسے آج کل کے متصوفہ زنادقہ صوفی کہتے ہیں کہ شیطان بڑا موحد تھا اسی لئے اس نے غیر کو (یعنی آدمؑ کو) سجدہ نہیں کیا۔ گویا خدا نے غلطی کی نعوذ باللہ۔

مولوی مرتضیٰ حسن صاحب! بھلا یہ تو بتلایئے کہ شیطان خدا کو خدا جانتا تھا یا نہ؟ اگر نہیں جانتا تھا تو مدت تک اس کی عبادت کیوں کرتا رہا؟ اگر جانتا تھا تو کیا خدا کی خدائی اس کے نزدیک اطاعت کے لئے کافی نہ تھی؟ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خدا کی خدائی کو عبادت کے لئے کافی سمجھے اور اطاعت کیلئے کافی نہ سمجھے حالانکہ اطاعت کا مرتبہ عبادت سے بہت کم ہے کیونکہ اطاعت تو غیر (نبی) کی بھی جائز ہے، عبادت غیر کی جائز نہیں۔

اس کے علاوہ اگر فرضی طور پر مان لیں کہ شیطان قول خدا کو حکمت کے موافق نہ جانتا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مدلل بھی نہ جانتا ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ محکوم کو حاکم کی اطاعت ضروری ہے اور دلیل اس کی اس کا حاکم ہونا ہے۔ مگر باوجود محکوم ہونے کے کوئی بات حاکم کی مانے کوئی نہ مانے۔ مثلاً جو اس کے خیال میں معقول اور اس کی سمجھ میں حکمت کے موافق ہو وہ مانے دوسری کو نہ مانے تو وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس کو محکوم نہ کہنا چاہیے کیونکہ محکوم کے معنے میں داخل ہے کہ حاکم کے سامنے سر جھکا دے اور اپنا دخل نہ رکھے۔ اب شیطان کا خدا کے حکم کو تسلیم نہ کرنا اس کی یا تو یہ وجہ ہوگی کہ اس کے خیال میں خدا حاکم نہیں ہوگا اور یہ بداہتہً باطل ہے کہ شیطان کو خدا کے حاکم ہونے کی خبر نہ ہو۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ شیطان کو محکوم کے معنے کا پتہ نہ ہوگا۔ اور اس کا بطلان پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اب سرکشی اور تکبر کے سوا اور کونسی وجہ عدم تسلیم ہو سکتی ہے؟ پھر معاذ اللہ خدا کی شان ایسی نہ تھی کہ شیطان کو واقعی خدا کے حاکم ہونے کا علم نہ ہوتا یا وہ محکوم کے معنے نہ جانتا تو وہ ارحم الراحمین اس کو اتمام حجت کا عذر کرنے پر یہ نہ فرماتا کہ فاخرج منھا۔" یعنی اس جگہ سے نکل جا۔" بلکہ پہلے اس کو اس بات سے واقف کرتا جس سے بے علم تھا۔ پھر اس کے بعد اگر وہ نہ مانتا تو جو چاہتا اس کے ساتھ سلوک کرتا خدا کی ذات اس سے برتر ہے کہ وہ ناواقف کو راندے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شیطان بے خبری میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ اس کو سب کچھ پتہ تھا۔ اور آیہ کریمہ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ محکوم کو حاکم کے حکم کی فوراً تعمیل کرنی چاہیے تھی تجھے اس تعمیل سے کس نے روکا اگر کوئی اور حکم دیتا تو اس میں شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ حکم تو خود میں نے دیا ہے۔ پھر تعمیل کیوں نہ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کا اور اسے اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کہہ کر ٹال دینے کا نام خدا نے سرکشی تکبر، فسق وغیرہ رکھا ہے جیسے ایک آیت میں فرمایا۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا۔"

خلاصہ یہ ہے کہ قول خدا شیطان کے نزدیک مطلقاً بغیر شرط واجب التسلیم تھا۔ کیونکہ اس کی دلیل اس کے ذہن میں تھی یعنی قائل کا حاکم بلکہ خدا ہونا۔ مگر تکبر کی وجہ سے اس کو تسلیم نہ کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ اور آیہ کریمہ ابی واستکبر وکان من الکافرین وغیرہ بھی اسی مطلب کو ادا کر رہی ہیں جس کا خلاصہ شیخ سعدیؒ کے الفاظ میں یہ ہے ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد　　　　بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

مولوی مرتضیٰ حسن صاحب پر تقلیدی اثر ہے کہ اندھا دُھند لکھتے چلے جاتے ہیں اور نتائج پر غور نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر اور سُنئے۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

"جس طرح رسول اللہ علیہ السلام کی بات کو تسلیم کرنا اُمت کے حق میں تقلید ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا باری تعالیٰ کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا بھی تقلید ہوگا۔"

(العدل ۱۴ مارچ ۱۹۲۹ء ص۳)

گویا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اعتقاد میں شیطان کی طرح انبیاء علیہم السلام بھی خدا کے قول کو عین حکمت یا حکمت کے موافق نہیں جانتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان تسلیم نہ کرنے سے غیر مقلد ہو گیا اور انبیاء علیہم السلام تسلیم کر کے مقلد ہو گئے!

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں کس قدر گستاخی ہے کہ معاذ اللہ ان کا اعتقاد شیطان کا اعتقاد بتایا جاتا ہے۔ سچ ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانہ میں

تعجب

مولوی مرتضیٰ حسن صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس محل میں اصول فقہ کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اصول فقہ میں صاف لکھا ہے کہ قرآن و حدیث کا ماننا تقلید نہیں چنانچہ تحریر ابن الہمام کے اخیر میں ہے۔ لیس الرجوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاجماع منہ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔"

خدا جانے یہ لوگ تقلید کی محبت میں کیوں ایسے سرشار ہیں کہ اپنا اصُول بھی بھول جاتے ہیں کہ یکے بر سرِ شاخ و بن مے برید والا مضمون ہے۔ یعنی مذہب کے عیر خواہ بن کر مذہب کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔

؎ اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو!

بلکہ خود مولوی مرتضیٰ حسن نے بھی اس کی تصریح کی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"اطاعت تقلید کے معنے سے عام ہے۔ خدائے قدوس اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

اطاعت کو تقلید نہیں کہا۔" (العدل ۱۰ فروری ۱۹۲۹ء صہ ۳)

"مجتہد کا قول فی نفسہٖ حجت شرعیہ نہیں۔ اور خداوند عالم جل مجدہٗ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فی نفسہٖ حجت شرعیہ ہے۔" (العدل ۱۰ فروری ۱۹۲۹ء)

پس مولوی مرتضیٰ حسن نے اپنی تقریر پر خود ہی پانی پھیر دیا۔ اور صاف غیر مقلد ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ تقلید ایک ایسا ٹیڑھا راستہ ہے۔ جس پر چل کر مقلد کبھی منزلِ مقصود پر پہنچ نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے دنیا کی مشہور ہستیوں نے تقلید کو گمراہی اور خودکشی سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

آں مقلد ہست چوں طفلِ علیل ٭ گرچہ دارد بحث باریک و دلیل

حضرت شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎

عبادت بتقلید گمراہی است ٭ خنک راہروے راکہ آگاہی است

عصرِ حاضر کے مشہور شاعر سر اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی ٭ رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تقلید کے پھندے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۳ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ)

سوال:۔ ائمہ اربعہؒ اور ان کے شاگردوں کی ایک دوسرے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ نیز ملا علی قاری حنفیؒ نے اپنے رسالہ الاقتداء بالمخالف میں اقتداء یزید، حجاج، زیاد اور امراء بنی امیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واستمر الامر علی ذلك فی زمن ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد وسائر المجتهدین هنالك فلم ینقل عن احد من الائمة ان یمتنع الاقتداء بالمخالف من اهل الملة وذلك لعدم قطعهم علی انهم علی الصواب البتة وغیرهم علی الخطاء لا محالة بل کانوا مجتهدین فی امرالدین طالبین للدلیل فی طریق الموصل من جهة الفروع الفقهیة الادلة الظنیة مع اتفاقهم علی الاصول الدینیة التی مدارها علی الادلة الیقینیة کما یشیر الیه حدیث

العلماء ورثة الانبياء۔ رواہ احمد والاربعة عن ابی الدرداء فالائمة المجتهدون کالصحابة فمن اقتدی بهم اهتدی لان اختلافهم راجع الی اختلاف الصحابة یشیر الیه قوله تعالی فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ انتهی

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور دیگر ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں یہی دستور چلا آیا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ کسی سے یہ نقل نہیں ہوا کہ انہوں نے اہل دین سے اپنے مخالف مذہب کی اقتداء سے روکا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا مخالف غلطی پر ہے بلکہ سب دین میں اجتہاد کرنے والے تھے (جس میں غلطی کا امکان ہے) راہ آئی میں احکام اجتہادیہ کی بابت دلائل ظنیہ سے استدلال کرتے ہوئے بہتر بات کے طالب رہتے مع اتفاق کے اصول دینیہ میں جن کا مدار دلائل یقینیہ پر ہے جیسے حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) میں اس اتفاق کی طرف اشارہ ہے (کیونکہ انبیاء بھی اصول میں متفق تھے) پس ائمہ مجتہدین کا اختلاف صحابہؓ کی طرح ہے جو ان کی اقتداء کرے وہ ہدایت والا ہے کیونکہ ان کا اختلاف صحابہؓ کی طرف راجع ہے۔ آیت کریمہ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے (پوچھ لو) میں اسی طرف اشارہ ہے (کیونکہ صحابہؓ کی طرح ائمہ بھی اہل ذکر ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون اور ائمہ مجتہدینؒ کا اس اقتداء کے مسئلہ پر تعامل رہا ہے کبھی کسی نے اس میں رکاوٹ نہیں ڈالی، ہاں بعض کتب حنفیہ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی جو روشنی کے زمانہ میں دب گئی۔ لیکن آج کل دیوبندی اس آواز کو پھر اٹھا رہے ہیں چند روز ہوئے ہمارے پاس ایک کارڈ آیا ہے جس میں دو فتاویٰ اسی قسم کے درج ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نماز دیگر ائمہ کے پیچھے نہیں ہوتی بلکہ ان کے شاگرد امام ابو یوسف وغیرہ بھی اس قابل نہیں۔ چنانچہ اس کارڈ کی پوری عبارت مندرج ذیل ہے:۔

"حضرت مولنا صاحب لازم اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ مندرجہ ذیل فتاوی رسالہ "المفتی" دیوبند میں شائع ہوئے ہیں۔ براہ نوازش آپ ان پر بسط سے روشنی ڈالیں کہ کن وجوہات سے علماء حنفیہ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز بتاتے ہیں؟ کیا یہ فتاوی درست ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

سوال:۔ جو لوگ آمین بالجہر کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آمین بالجہر کہنے والے جو ہمارے دیار میں عام طور پر غیر مقلد ہیں ان کے پیچھے بلا ضرورت نماز نہ پڑھنی چاہیئے کیونکہ وہ وضوء اور طہارت میں قواعد کے پابند اور محتاط نہیں، لیکن اگر اتفاقاً ان کی مسجد یا جماعت میں پہنچ جائے اور جماعت شروع ہو جائے تو شریک ہو جانا چاہیئے نماز ہو جائے گی، بشرطیکہ ان سے صراحۃً کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو ہمارے نزدیک مفسد نماز ہو جائے، کذا قال الشامی فی باب الامامۃ فقط

(امداد المفتیین ص۲۴۲ بحوالہ رسالہ المفتی جلد اوّل)

سوال ۲:۔ اہلحدیث کے پیچھے حنفی المذہب کو اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب (۲):۔ اس میں تفصیل ہے بعض صورتوں میں درست ہے اور بعض صورتوں میں مکروہ ہے یا درست نہیں پس احتیاط اسی میں ہے کہ اقتداء ان کا نہ کیا جائے لیکن جس نے لاعلمی سے اقتداء کر لیا یا علم سے اقتداء کیا اس کو درمیان نماز کے نیت توڑنا نہ چاہیئے۔ اگر توڑ دی اس نماز کو پھر پڑھ لیوے؟

(عزیز الفتاوی ص۲۲۵ "المفتی" ماہ رجب ۱۳۵۵ھ)

محدث روپڑی کا جواب

اس میں شبہ نہیں کہ ائمہ مجتہدین کا وضوء، طہارت وغیرہ کے متعلق آپس میں بہت اختلاف ہے ایک کے نزدیک ایک بات درست ہے تو دوسرا اس کو غیر درست کہتا ہے اگر ایک حرمت کا قائل ہے تو دوسرا حلت کا خاص کر امام ابوحنیفہؒ صاحب کا دوسرے ائمہ سے اختلاف زیادہ ہے اور بہت سی باتوں میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے شاگرد بھی ان کے خلاف ہیں۔ تو ان سے جب کوئی اپنے خیال کے مطابق وضوء طہارت وغیرہ کرے تو ان دو فتووں کے مطابق امام ابوحنیفہ صاحبؒ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک نکسیر پھوٹنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک

نہیں ٹوٹتا، اب امام شافعیؒ کے نزدیک وضو کیا۔ پھر نکسیر چھوٹ گئی چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو قائم ہے اس لئے وہ بغیر نیا وضو کے مصلیٰ پر جا کھڑے ہوئے اور نماز شروع کر دی اب امام ابوحنیفہ صاحبؒ فوراً جماعت سے علیحدہ ہو جائیں گے کیونکہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے مذہب کے مطابق امام شافعیؒ بلا وضو، نماز پڑھا رہے ہیں۔

اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک دو قلہ (دو مٹکہ) پانی میں نجاست پڑ جائے تو جب تک رنگ، بو مزہ نہ بدلے پلید نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک پلید ہو جاتا ہے امام شافعیؒ نے اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھانی شروع کر دی، امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک امام شافعیؒ کا وضو تو کیا ہونا تھا اس نجس پانی سے سارا بدن ہی پلید ہو گیا، اس حالت میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ امام شافعیؒ کے پیچھے کس طرح نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اسی طرح پانی نہ ملے تو امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک کھجوروں کے شربت سے وضو ہو جاتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ہوتا اگر امام ابوحنیفہ صاحبؒ کھجوروں کے شربت سے وضو کر کے نماز پڑھانا چاہیں تو امام شافعیؒ ضرور علیحدہ ہو جائیں گے۔

اسی طرح کتا وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے تو اگر اس کے خون کا قطرہ یا کوئی اور حصہ پانی میں مل جائے اور اس پانی سے وضو کر کے امام ابوحنیفہ صاحبؒ نماز پڑھانا چاہیں یا اس کتے کے چمڑے سے ستر ڈھانک کر نماز پڑھانا چاہیں تو اس صورت میں بھی امام شافعی صاحبؒ علیحدہ ہو جائیں گے۔

اس قسم کے سینکڑوں اختلافی صورتیں ہیں جو فریقین کی طرف سے مانع امامت ہیں، اسی طرح امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے شاگرد آپس میں اور اپنے استادوں سے بہت مسائل میں مختلف ہیں۔ تو ان کی اقتداء بھی آپس میں درست نہ ہو گی، مثلاً اگر پیٹ سے منہ کے راستے خون آئے اور جما ہوا نہ ہو تو اس وقت امام محمدؒ شاگرد امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر منہ بھر کر آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ اور امام ابویوسف صاحبؒ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر ایسے موقعہ پر امام محمدؒ امام ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ صاحبؒ اور امام ابویوسف صاحبؒ کی نماز ان کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

غرض اس طرح کا اختلاف امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا اپنے شاگردوں سے اور دیگر ائمہ سے بہت ہے تو

اگر اہلحدیث کے پیچھے نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ ان کے وضو طہارت وغیرہ کے مسائل حنفی مذہب کے مطابق نہیں تو امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی بھی کسی امام کے پیچھے نہیں ہوگی۔ بلکہ دوسرے اماموں کی اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے شاگردوں کی بھی امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ جو وجہ اُدھر ہے وہی وجہ اِدھر ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ اگر زخم سے خون نکل کر زخم کے منہ پر آ جائے اور اِدھر اُدھر نہ بہے تو وضو نہیں ٹوٹتا اور امام محمد صاحبؒ کہتے ہیں۔ ٹوٹ جاتا ہے (ملاحظہ ہو ردالمختار جلد اوّل ص۱۰۱ و ص۱۳۱) تو اس وقت امام محمدؒ کی نماز اپنے استاد کے پیچھے کیونکر ہوگی؟

ناظرین خیال فرمائیں کہ کہاں تک نوبت پہنچتی ہے، حاصل کلام یہ ہوا کہ کوئی کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھے، پس جماعت کا سلسلہ ہی فضول ہے بلکہ مسجدوں میں آنا ہی فضول ہے، گھروں میں اپنی اپنی نماز پڑھ لی اور فارغ ہو گئے اور جب ایسا ہوا تو مسجدوں کی بھی ضرورت نہ رہی، خواہ مخواہ اللہ کا مال بیکار عمارتوں پر کیوں لگایا جائے۔ یہ ہے ایسے فتووں کا نتیجہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

یہ ٹھہرے ہیں دین کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارثِ انبیاء اب

تنبیہہ:۔ اگر مسئلہ اقتداء کی پوری تفصیل اور اس کے پورے وجوہات معلوم کرنے مطلوب ہوں تو ہماری کتاب تحریکِ اہلحدیث حصہ دوم ص۹۲-۹۳ ملاحظہ ہو۔

جو لوگ تقلید میں ایسے سرشار ہیں کہ ان کی کسی کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی بلکہ انکے پیچھے نماز ہی ہوتی ہے انکے پیچھے نماز سے پرہیز چاہیئے کیونکہ ان کی تقلید حد شرک تک پہنچ گئی ہے اور مشرک کے پیچھے نماز درست نہیں، ایسے ہی لوگوں کے متعلق کسی نے استفتاء کیا ہے کہ یہ ناجی ہیں یا نہیں اور ان کی اقتداء درست ہے یا نہیں اور بعض اور استفتاء بھی کئے ہیں

مفتی فضل عظیم عثمانی بھیروی

اعتراض:۔ مفتی فضل عظیم عثمانی بھیروی ضلع شاہ پور نے محدث روپڑیؒ کے رسالہ ایک مجلس کی تین طلاق کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

کہ آپ (محدث روپڑیؒ) نے ایک مجلس کی تین طلاق کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ

نے خلافت کے دو سال بعد تین طلاق کے تین واقع ہونے کا جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ قضاءً اور سیاسۃً تھا۔ ان کے یہ الفاظ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ کے حق میں گوہر افشانی ہے۔ جس سے مجھے صد درجہ یقین ہو گیا کہ نہ آپ کو قرآن کریم سے واسطہ اور نہ رسول کریم سے تعلق اور نہ بزرگان دین سے محبت اللہ تعالیٰ نے کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان آیت میں صحابہؓ کی تعریف کی ہے۔ اور آپ نے ہر دو کو بد دیانت بنا دیا۔ طلاق کا مسئلہ ہر دو کو معلوم نہ ہوا

اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرَ ہائے تکبر تیرا ستیاناس۔

جواب: حضرت محدث روپڑی نے جواب میں فرمایا۔ کہ آپ کے اس جملہ "بددیانت" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقہ وغیرہ سے بھی مس نہیں۔ مثلاً ہدایہ وغیرہ میں کتاب القاضی کے شروع میں لکھا ہے کہ فاسق قاضی بن سکتا ہے۔ مفتی نہیں بن سکتا۔ دلیل اس کی یہ دی ہے۔ کہ فتویٰ امور دین سے ہے فاسق کی خبر دیانت میں معتبر نہیں ——— بتلایئے اس کے مقابلہ میں قضا بے دینی اور بد دیانتی ہے۔ خدا جانے آپ مفتی کس طرح بن گئے جب ان باتوں کو نہیں سمجھتے لیجئے ہم آپ کو سمجھائیں۔ آپ موقعہ محل کا لحاظ نہیں رکھتے بھینس اور بھیڑ کو ایک لکڑی سے ہانکتے ہیں۔ مثلاً علم عربیت میں اسم کے کئی استعمال ہیں، ایک فعل اور حرف کے مقابلہ میں ایک صفت کے مقابلہ میں ایک ظرف کے مقابلہ میں اب ہر ایک کو اپنے محل میں نہ رکھا جائے تو مسائل عربیت میں کتنی گڑبڑ ہوگی ٹھیک اسی طرح دیانت کا لفظ ہے کبھی تو یہ عدالت کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے کبھی فسق و فجور کے مقابلہ میں کبھی قضا یا سیاست کے مقابلہ میں اوّل استعمال کے لحاظ سے بعض اہل بدعت کو بھی معتبر کہا گیا ہے چنانچہ کتب اسماء الرجال میں یہ استعمال عام طور پر موجود ہے اور دوسرا استعمال عام طور پر زبان زد ہے رات دن دنیا بولتی ہے۔ تیسرا اس کا یہ مطلب خدا اور بندہ کے درمیانی معاملہ اور اس کے مقابلہ میں قضاء کا مطلب یہ ہے کہ بندوں بندوں کا معاملہ

میں نے حضرت عمرؓ کے تین طلاق جاری کرنے کے متعلق قضا اور سیاست کا استعمال کیا ہے اس کو آپ نے معاذ اللہ بد دیانتی اور بے دینی بنا لیا ہے جو زبان زد عام ہے انا للہ پڑھئے۔

وکم من عائب قولاً صحیحاً وآفته من الفهم السقيم

(عبداللہ روپڑی) ۲۳ر اگست ۱۹۵۰ء

سوال:۔ کیا حنفی اہل حدیث ہیں؟

جواب:۔ ہر نیک نیت مسلمان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ مجھے رسُولؐ کا راستہ ملے اس معنیٰ سے بیشک ایسے نیک نیت حنفی اہل حدیث ہیں لیکن ایک معنٰی اہل حدیث کا خاص ہے وہ یہ کہ براہ راست احادیث و آثار کی جستجو کی جائے اور کسی خاص شخص کے اقوال پر مذہب کی بنیاد نہ رکھی جائے نہ کسی ایک کے مذہب کی تقلید کی جائے اس معنیٰ سے حنفیہ اہل حدیث نہیں۔ بلکہ وہ ایک خاص جماعت ہے جو اہل حدیث کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ انصاف ص۸۹ پر لکھتے ہیں۔ اس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

بعض کو میں نے یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ کل دو فرقے ہیں تیسرا نہیں ایک ظاہریہ دوسرا اہل الرائے اور جو قیاس و استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے جو قیاس و استنباط نہ کرے وہ اہل ظاہر ہے (لیکن) بخدا حقیقت میں ایسا نہیں۔ کیونکہ رائے سے مراد نفس فہم اور عقل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے تو کوئی خالی نہیں اور نہ وہ رائے مراد ہے۔ جس کا اعتماد سنت پر نہ ہو کیونکہ مسلمان محض اپنی طرف سے کوئی بات نہیں گھڑتا اور نہ استنباط و قیاس پہ قدرت مراد ہے۔ کیونکہ امام احمدؒ و اسحٰقؒ بلکہ امام شافعیؒ بالاتفاق اہل الرائے نہیں۔ حالانکہ وہ استنباط و قیاس کرتے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے تو قوم مراد ہے جو اجماعی اور جمہوری مسائل کے علاوہ باقی مسائل میں متقدمین سے کسی ایک شخص کے اصول کی پابند ہے اور اکثر کام ان کا ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنا ہے اور اصولوں سے کسی اصول کے موافق کرنا ہے بغیر جستجو احادیث و آثار سلف کے اور ظاہری وہ شخص ہے جو نہ قیاس کا قائل ہے اور نہ آثار صحابہؓ و تابعینؒ کا قائل ہے جیسے داؤد بن حزمؒ اور ان ہر دو فرقوں کے درمیان محققین اہل سنت ہیں۔ جیسے امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ۔

علاوہ ازیں مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ جلد ۲۲ ص ۲۷ میں اہل حدیث اور مذاہب اربعہ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت بتائی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک جماعت خاص اہل حدیث ہے جو گروہ مقلدین سے الگ ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ رجب ۱۳۵۹ھ

سوال:۔ تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے والا اہل بدعت سے ہے یا نہیں؟ (عبدالقادر حصاری)

جواب:۔ جو شخص تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھتا ہے۔ اس کو امام نہیں بنانا چاہیے ہاں اگر کہیں نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے شامل ہونے کی صورت میں نماز ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ کافر نہیں۔ زیادہ سے

زیادہ تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے کی وجہ سے وہ اہل بدعت میں شمار ہو سکتا ہے۔ اور اہل بدعت کو گرچہ امام بنانا درست نہیں۔ لیکن کہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقعہ مل جائے تو نماز ہو جائے گی۔ چنانچہ اشتہار امامت مشرک میں اس کی پوری تفصیل کر دی ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ

سوال: مفتی فضل عظیم پیروی نے کہا ہے کہ مولوی نور دین اور عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث غیر مقلد تھے۔ کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی نور دین اور عبداللہ چکڑالوی گمراہ ہو گئے تھے۔ مگر پہلے کہاں سے نکلے، حنفیت سے نکلے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خراب تھا۔ پھر اہل حدیث کے مذہب میں کس طرح ٹھہر سکتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو طابہ (اچھا۔ عمدہ۔ ستھرا) فرمایا۔ ایک شخص نے آپ سے بیعت کی پھر کچھ تکلیف دیکھ کر کہنے لگا میری بیعت واپس کر دو۔ آپ نے فرمایا اس طابہ کی مثال کٹھالی کی ہے جیسے وہ لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔ اس طرح طابہ بھی کھوٹے آدمی کو اپنے سے نکال دیتا ہے اہل حدیث کو بھی چونکہ براہ راست اسی طابہ سے نسبت ہے۔ اس لئے ان میں بھی ایسا ویسا آدمی نہیں رہ سکتا۔ اگر مفتی صاحب سے پوچھا جائے کہ بریلوی، جماعت علی شاہی وغیرہ کس طرح پیدا ہو گئے کیا یہ بھی اہلحدیث کا اثر ہے؟

عبداللہ امرتسری ۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء ، ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

اصحاب صحاح ستہؒ

سوال: مفتی فضل عظیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ مقلد تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: اصحاب صحاح ستہ کو مقلد سمجھنا اول غلطی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ اصحاب صحاح ستہ کو اکثر مسائل میں موافقت کی وجہ سے شافعیؒ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کا بہت مسائل میں اجتہاد امام شافعیؒ کے موافق ہو گیا ورنہ یہ مقلد نہ تھے۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا اجتہاد اکثر مسائل میں امام احمدؒ کے موافق ہو گیا۔ اس لئے ان کو امام احمدؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس سے انسان مقلد تھوڑا ہی بنتا ہے یہ بزرگ سب مجتہد ہی تھے۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء

سوال:۔ کیا ائمہ اربعہؒ چاروں حق پر تھے ؟

جواب:۔ ائمہ اربعہؒ کے حق ہونے کا یہ مطلب نہیں، کہ ان سے ہر ایک کے تمام مسائل حق ہیں۔ بلکہ اختلاف کی صورت میں ایک حق پر ہوگا، دوسرا غلطی پر مثلاً قرآن مجید میں قُرُوءٌ کی بابت اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں، اس سے طہر مراد ہے امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں حیض مراد ہے۔ فاتحہ کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کہتے ہیں، اس کے بغیر نماز نہیں امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول ہے کہ منع ہے۔ اس قسم کے بہتیرے مسائل ہیں، جن میں اختلاف ہے مگر حق ایک ہی ہے اور حق ایک ہی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہی اہل سنّت کا عقیدہ ہے۔ ہاں چاروں مذاہب کے حق ہونے کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ ان کو غلطی پر بھی ایک اجر ملتا ہے کیونکہ ان کا اختلاف سلفؒ کی روش کے اندر ہے، ورنہ مسائل تو سارے صحابہؓ کے بھی حق نہیں حضرت عمرؓ کہتے ہیں جنبی کے لئے تیمم نہیں، عبداللہؓ بن مسعود کا بھی یہی مذہب ہے۔ نیز وہ معوذتین کو قرآن مجید کی سورتیں نہیں مانتے۔ تین آدمی ہوں تو نماز میں جماعت کے وقت ایک کو دائیں طرف کھڑا کرتے ہیں، دوسرے کو بائیں طرف۔ اس قسم کے بیسیوں مسائل ہیں۔ کیا یہ حق ہیں ؟ اس طرح ائمہؒ کے مسائل کو سمجھ لینا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری ۴ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ

مطابق ۴ جنوری ۱۹۳۹ء

سوال:۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے صراط مستقیم میں لکھا ہے ؟

اتباع مذاہب اربعہؒ کہ رائج در تمام اہل اسلام است۔ بہتر و خوب است

مگر ایضاح میں معین کی تقلید کو بدعت حقیقیہ میں شمار کیا ہے ـــــ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

جواب:۔ اتباع مذاہب اربعہؒ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک مذہب کا تعین اور التزام نہ کرے بلکہ جس کا مسئلہ راجح معلوم ہو لے لے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ سہولت کے طور پر ایک کا تعین کرے مگر اس تعین کو حکم شرعی نہ سمجھے اور کبھی دوسرے مذہب پر بھی عمل کرے۔ صراط مستقیم کی عبارت میں ان ہر دو مفہوم کا احتمال ہے اور ایضاح کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ اگر اس تعین کو حکم شرعی سمجھے تو یہ بدعت حقیقیہ ہے اور مائۃ مسائل کی عبارت میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں۔ کیونکہ آگے چل کر مائۃ مسائل نے مذاہب اربعہ کے اختلاف کے متعلق کہا ہے کہ یا یہ صحابہؓ کا اختلاف ہے یا قیاس رائے کا اختلاف ہے ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے

اختلاف کے وقت جب کوئی کسی صحابی کا قول لیتا تو یہ سمجھ کر نہیں لیتا تھا کہ مجھے اسی کے قول لینے کا شرعی حکم ہے یا اس کا تعیین کرنا شرعاً ضروری ہے۔ بلکہ آیہ کریمہ فَاسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے تحت کسی صحابیؓ کا قول لے لیتا اور یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں مسائل کے لئے ایک شخص مقرر نہ تھا بلکہ ایک مسئلہ میں ایک کا قول لیتے تو دوسرے مسئلہ میں دیگر کسی اور صحابیؓ کا قول لیتے۔ اگر اب بھی اس طرح ہو تو بفضل خدا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ ہو جائے واللہ الموفق

عبداللہ امرتسری ۱۰ رجب ۱۳۵۹ھ

سوال:۔ شاہ ولی اللہؒ تقلید کو واجب کہتے ہیں۔ مولوی فضل عظیم بھیروی نے جواز تقلید کی یہی دلیل دی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ تقلید کی نسبت شاہ ولی اللہؒ کا قول بحوالہ انصاف دَ كَانُوْا هُوَ الْوَاجِبُ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ۔ انہوں نے نقل کیا ہے حالانکہ انصاف میں اس کا نام و نشان نہیں۔ ہاں عقد الجید میں ہے مگر انصاف اس کے بعد کا ہے۔ اس میں اہل حدیث مذہب کو ترجیح دی ہے۔ خاص کر حنفی مذہب کے متعلق انصاف ص۶۵ پر لکھا ہے کہ ان میں تیسری صدی کے بعد اجتہاد ختم ہو گیا کیونکہ مجتہد محدث ہوتا ہے وَكَانَ اشتغالهم بعلم الحديث قَلِيْلًا قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا یعنی ان کا شغل علم حدیث سے ہمیشہ کم رہا ہے اور عقد الجید کی عبارت مذکورہ بھی درحقیقت ایسے ہی لوگوں کے لئے تھی۔ مگر تقلید شخصی کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ تمام شریعت کا ذمہ دار ایک کو بنا دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ بلکہ جس سے موقع ملے پوچھے جیسے سلفؒ میں دستور تھا۔ اس لئے شاہ ولی اللہؒ صاحب نے عقد الجید کے اس مقام میں لکھا ہے۔ کہ ایک بڑی جماعت علماء کی ہمیشہ چلی آئی ہے۔ جو مذاہب اربعہ سے ایک کی پابند نہ تھی۔

عبداللہ امرتسری ۲ جنوری ۱۹۴۳ء ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ

سوال:۔ کیا تمام زمانوں کے لئے ایک ہی فقہ کافی ہے۔ کیا جو نئے حالات پیدا ہو گئے ہیں ان کے مطابق فقہ تیار کرنے کی کوئی کوشش کی گئی ہے؟

جواب:۔ قرآن و حدیث سب زمانوں کے لئے کافی ہے اسی لئے خدا نے نبوت کو ختم کر دیا۔ اور قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ فقہ جو قرآن و حدیث کے موافق ہے وہ قرآن و حدیث ہی ہے جو قرآن و حدیث

کے موافق نہیں اس کا اعتبار نہیں۔

سوال :۔ اہل حدیث کا اختلاف جو حنفیوں سے ہے وہ کن حدیثوں پر مبنی ہے۔ ان کے متعلق حنفیوں کا کیا جواب ہے۔ اختلافات اور جوابات سے مطلع فرمایا جاوے؟

جواب :۔ ان احادیث کا شمار تو مشکل ہے ہاں بعض کتابوں کا نام بتلا دیتے ہیں۔ جن میں اکثر یہ احادیث یا اس قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ جیسے،

معانی الآثار۔ طحاوی۔ کتاب الآثار امام محمدؒ۔ موطا امام محمدؒ۔ مسند امام ابو حنیفہؒ۔ ان کے علاوہ بعض احادیث یا اقوال صحاح ستہ میں بھی ہیں لیکن حنفیہ اور اہلحدیث کے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ حنفیہ قیاس زیادہ کرتے ہیں۔ اور حدیث کے صحت ضعف کا پورا امتیاز نہیں کرتے۔ اور بعض دفعہ رائے کے زیادہ دخل دینے کی وجہ سے احادیث کے اصل مطلب کو نہیں پہنچتے۔ اور قیاس کے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی خدمت میں انہوں نے کم حصّہ لیا ہے۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انصافؒ" میں لکھا ہے۔

مولوی عبدالحی حنفی لکھنوی نے "النافع الکبیر فی شرح الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اور بعض دیگر علماء نے اپنی تصانیف میں مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے کی وجہ یہی بیان کی ہے۔"

سوال :۔ کیا ہمارا مذہب عقل پر مبنی ہے کیا دیگر مذاہب کی تردید ہم عقل سے کر سکتے ہیں؟

ایک سائل

جواب :۔ عقل، نقل دونوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ پیغمبر کو پیغمبر معلوم کرنا عقل سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ پیغمبر کہے وہ ماننا پڑتا ہے۔ اور دیگر مذاہب کی تردید بھی عقل، نقل دونوں سے کی جاتی ہے۔ جیسے روح مادہ قدیم نہیں عالم حادث ہے۔ اس قسم کے مسائل کو ہم عموماً عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور شیعہ وغیرہ کی تردید اکثر نقلی دلائل سے کرتے ہیں جیسے قرآن و حدیث۔

سوال :۔ کیا وجہ ہے کہ ایک شخص اندھا، لولا یا چوروں، ڈاکوؤں یا سخت غریب گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ کسی کو دس دن کی زندگی دی جاتی ہے کسی کو سینکڑوں دنوں کی۔ اگر ایک شخص نیک خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کو نیک صحبت، نیک تعلیم، نیک کاموں کے وسائل بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اور دوسرا اس کے برعکس ہر دو کی آزمائش یکساں کیسے؟

اگر ایک حالت میں پیدائش و پرورش ہو تو کوئی آزمائش ہو سکتی ہے؟ ایک سائل

جواب:۔ اسلام کو دیگر مذاہب پر کئی طرح سے فضیلت ہے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کا اعجاز کا دعویٰ ہے۔ اس کے دعویٰ کو آج تک کسی نے نہیں توڑا۔ دوسرے اسلام میں پورے احکام ہیں۔ اسلام کے سوا کسی مذہب میں پورے احکام نہیں۔ مثلاً وید میں رشتوں کی بابت کوئی تفصیلی احکام نہیں کہ کونسا کرنا چاہیئے اور کونسا نہ کرنا چاہیئے۔ بہت سی کتب تحریف ہو چکی ہیں۔ قرآن مجید بدستور قائم ہے۔ قرآن کو خدا نے سینوں میں جگہ دی ہے۔ دوسری کتب صرف کاغذات میں ہیں۔ اور لنگڑا لولا ہونے یا کسی اور مصیبت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ مصیبت میں صبر کرتے ہیں یا نہیں اور مال و دولت اور صحت و تندرستی اگرچہ ظاہر میں نعمت ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ بھی آزمائش ہیں کہ بندہ مال و دولت وغیرہ سے زیادہ محبت کرتا ہے یا خدا سے۔ اور کیا اللہ کے راستہ میں اس کو خرچ کرتا ہے یا عیاشی میں پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔

"ہم ان کو نیکیوں، بدیوں سے آزماتے ہیں شاید کہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔"

اور جیسے انسان کا قصد ارادہ ہوتا ہے اسی کے موافق اللہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ۔ جو اللہ کی راہ میں دے اور تقویٰ کرے اور سچ بولے اس کو ہم نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔"

جیسی جیسی طبائع ہوتی ہیں ویسی ویسی آزمائش ہوتی ہے۔ کسی کو مال دے کر آزمایا جاتا ہے کسی کو حکومت دے کر کسی کو عزت وغیرہ کے ساتھ جیسے مختلف جماعتوں کے لڑکوں کو مختلف سوالات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بندوں کی مختلف حالتوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

سوال:۔ مولانا روم سے متعلق آپ کا کیا خیال؟ کیا ان کی تعلیم حضرت کی تعلیم کے مطابق ہے؟

جواب:۔ کچھ مطابق ہے کچھ خلاف بھی ہے۔ مثلاً یہ کہنا ہر شئے میں (حق) ہے۔ یعنی خدا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ قرآن و حدیث میں ہے کہ اللہ عرش پر ہے۔ ہاں اگر حق سے مراد یہ ہو جس کی طرف مندرجہ آیت میں اشارہ ہے۔ تو پھر ہر شئے میں حق کا ہونا ٹھیک ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ۔ ہم نے آسمان زمین اور جو

پھر ان دونوں کے درمیان ہے سب کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کی پیدائش لغو نہیں۔ بلکہ کسی فائدہ کے لئے ہے یا یہ اشیاء وہم اور خیال نہیں۔ جیسے ایک گمراہ فرقے (سوفسطائیہ) کا مذہب ہے بلکہ یہ سچ مچ ہیں اور ہر شے اپنے اندر ایک حقیقت رکھتی ہے۔

سوال:۔ کیا احادیث کے صحت و ضعف میں اقوال محدثین کو ماننا تقلید ہے؟

غلام رسول انزا ہوں ضلع جالندھر

جواب:۔ مسلم الثبوت میں جو حنفیہ کے فقہ اصول کی معتبر کتاب ہے اور درس میں داخل ہے اس میں تقلید کی یہی تعریف کر کے لکھا ہے۔

لَيْسَ الرُّجُوْعُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَالْاِجْمَاعِ وَالْعَامِّيْ اِلَى الْمُفْتِيْ وَالْقَاضِيْ اِلَى الْعُدُوْلِ بِتَقْلِيْدٍ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ۔

یعنی رسول اور اجماع کی طرف رجوع کرنا اور عامی کا مفتی کی بات کو ماننا اور حاکم کا گواہوں یا گواہوں کی توثیق کرنے والوں کی بات کو ماننا تقلید نہیں۔ بوجہ قائم ہونے دلیل کے۔

پس اہل حدیث کا کتب اسماء الرجال کو راویوں کی توثیق کے لئے دیکھنا تقلید نہ ہوا کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے حاکم گواہوں یا گواہوں کی توثیق کے لئے معتبر آدمیوں سے دریافت کرتا ہے پس جیسے حاکم گواہوں کا یا ان معتبر آدمیوں کا مقلد نہیں کہلاتا اسی طرح اہل حدیث کو سمجھ لینا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث ۱۳ جون ۱۹۴۰ء

سوال:۔ کیا شاگرد استاد سے مسائل میں اختلاف کر سکتا ہے؟ اس اختلاف کی بنا پر استاد شاگرد کو عاق کرنے کا مجاز ہے؟

سائلین انجمن اہل حدیث بڑیں، ٹوک خانہ سلطان پور علاقہ میرپور براستہ اسٹیشن وینا ریاست جموں

المرقوم ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء

جواب:۔ مسائل کے اختلاف سے شاگرد عاق نہیں بنتا بلکہ یہ ایک لازمی شے ہے اس لئے ہمیشہ شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے رہے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں مگر بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں۔ اس لئے یہ دو مذہب الگ الگ قرار پائے۔ اسی طرح امام احمدؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں مگر مذہب ان کا بھی الگ الگ ہے امام ابو حنیفہؒ کے بڑے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ

اپنے استاد سے قریباً دو تہائی مذہب میں خلاف ہیں۔ امام مسلمؒ۔ امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں۔ مگر بعض مسائل میں ایسے خلاف ہیں۔ کہ استاد کے حق میں سختی پر اتر آتے ہیں۔ مقدمہ مسلم پڑھ کر دیکھئے اسی طرح امام بخاریؒ بواسطہ امام حمیدیؒ۔ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ لیکن مسائل میں امام شافعیؒ کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ جو کچھ اپنی تحقیق ہے اس کے پابند ہیں۔ خیر قرون میں اس قسم کے اختلافات بہت ہیں مگر کسی استاد نے شاگرد کو اس بناپر عاق نہیں کہا۔

جس شخص نے مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے شاگرد کو عاق کہا ہے وہ خود شریعت کا عاق ہے۔ کیونکہ شریعت اندھی تقلید کی اجازت نہیں دیتی۔ اس قسم کی تقلید شریعت میں ایک امر محدث ہے۔ جو ایسی تقلید کرانی چاہتا ہے وہ ایک امر محدث کا مرتکب ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ پس اس شخص کو لازم ہے کہ اس بات سے توبہ کرے اور آئندہ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی وجہ سے اپنے کسی شاگرد کو عاق نہ کہے ورنہ خود شریعت سے عاق سمجھا جائے گا۔ فقط

عبداللہ امرتسری روپڑ مورخہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

سوال :- نسیان۔ غلط۔ جہالت وخطاء میں از روئے لغت کیا فرق ہے؟ اور مسئلہ طلاق بطور نسیان کی صورت کیا ہے؟

ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ مسجد کلاں صدر بازار دہلی

جواب :- نسیان کا معنی شے کا ذہن میں آ کر نکل جانا غلط اور خطاء کے معنی ایک ہی ہیں ضد الصواب یعنی درست بات کو نہ پہنچنا جہالت علم کی ضد ہے۔

بخاری میں غلط سے مراد یہ ہے کہ عمداً نہ ہو جیسے بولنا چاہتا تھا تجھ پر تلاق ہے نکل گیا "طلاق ہے" اور نسیان سے مراد یہ ہے کہ ذکر نا دیا دکی حالت میں، نہ ہو جیسے منہ سے طلاق کا لفظ نکل گیا اس کو پتہ ہی نہیں کہ نکلا ہے یا نہیں فتح الباری میں یہی مراد بتائی ہے۔ فقط والسلام

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ ۸ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ

سوال :- امام ترمذیؒ اپنی جامع میں فرماتے ہیں وعلیہ عمل اھل العلم۔ اس سے کون اہل العلم مراد ہیں۔ سلف امت یا تابعینؒ وغیرہ اور مقصود امام ترمذیؒ کا اس قول سے کیا ہے جلال الدین سیوطیؒ "تعقبات علی الموضوعات" میں لکھتے ہیں۔

قلت الحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن ضعفہ احمد وغیرہ والعمل علی ھذا الحدیث عند اھل العلم فاشار بذالک الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علیہ

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیث ضعیف الاسناد ہو وہ معمول بہ ہونے کی وجہ سے صحیح اور قابلِ عمل ہے۔ لیکن اہل حدیث مطلقاً ضعیف کو قابلِ عمل نہیں ٹھہراتے گو اس پر اہل علم کا عمل ہو؟

جواب:۔ اہل علم سے صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے اور جس مسئلہ کی بابت امام ترمذیؒ والعمل علی ھذا عند اھل العلم کہتے ہیں، اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، اگر اختلاف ہو تو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو۔ فقط

عبداللہ روپڑی ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ

سوال:۔ کیا شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ مقلد تھے؟

جواب:۔ شاہ ولی اللہؒ آخر میں ادھر ہی مائل ہو گئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے چار مصلوں کی مذمت لکھی ہے جو بیت اللہ میں قائم کئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی زیر آیت کریمہ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْن۔ نیز شاہ ولی اللہؒ کا وصیت نامہ دیکھئے۔ انہوں نے اولاد کو تقلید سے روکا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

سوال:۔ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اپنے آپ کو حنفی اہل حدیث کہلاتے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے کیا مولانا نذیر حسین محدث دہلوی بھی تقلید شخصی کو صحیح سمجھتے تھے؟

جواب:۔ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم جس معنی سے حنفی اہل حدیث کہلاتے اس معنی سے تقلید شخصی کی شرعی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔ کیونکہ اہل حدیث کے ساتھ حنفیت کے اضافہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ جو مسئلہ قرآن و حدیث سے نہ ملے اس میں اپنی رائے سے کسی امام کا قول لینا بہتر ہے اور ہندوستان میں چونکہ حنفی مذہب زیادہ مروج ہے اس لئے انہی کی موافقت ان کو انسب معلوم ہوئی۔ اس کا حاصل یہ

ہے کہ کوئی اور زیادہ مذہب مروج ہوتا۔ تو اس کی موافقت کرتے گویا تقلید شخصی شرعاً کوئی شے نہیں۔ صرف رواجی شے ہے اور وہ بھی صرف اس وقت جبکہ قرآن وحدیث سے کوئی مسئلہ نہ ملے۔ اگرچہ ہم اس میں بھی مولینا محمد حسین مرحوم کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ رواج سے متاثر ہونا علم کی شان نہیں۔ بلکہ جس امام کا قول کسی وجہ سے راجح اور انسب معلوم ہو لے لیا جائے۔ نیز ہمیشہ ایک قول لینے میں عوام کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید ہر مسئلہ میں یہی مذہب حق ہے چنانچہ تقلید شخصی دُنیا میں اس طرح پھیلی پھولی اور آپ کو بھی مولوی محمد حسین مرحوم کی حنفیت کے اضافہ سے دھوکا لگا ہے۔ اس لئے ہمارا کہنا تو یہی ہے کہ مولوی محمد حسین مرحوم نے غلطی کی۔ لیکن اگر آپ یا دیگر حنفی مولوی محمد حسین مرحوم کی روش اختیار کرلیں تو قریباً سارے مرحلے طے ہو جائیں۔ اور صرف اُنیس بیس کا فرق رہ جائے۔

عبداللہ امرتسری

مولانا ابوالکلام آزادؒ

سوال:۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں سامری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو متعلقہ بچھڑا سورہ طٰہٰ میں لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں بغیر اضافت و اسناد کے "الرَّسُول" کا لفظ آیا ہے وہاں فرشتہ کا مطلب مُراد نہیں ہوگا۔ کیا مرحوم کا یہ کلیہ درست ہے؟ والسلام!

بشیر احمد توان کورٹ۔ لاہور۔

الجواب:۔ یہ اصطلاح سلف کے خلاف ہے۔ علماء سلف نے اس سے فرشتہ ہی مراد لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی کا خیال اُلٹ جاتا ہے تو وہ اصطلاح بھی اُلٹی بنا لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مرزا قادیانی لکھتے ہیں:۔

"جب توفّی کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو تو اس کے معنی پکڑ لینے کے نہیں ہوتے بلکہ قبض رُوح کے ہوتے ہیں"

مرزا قادیانی نے اپنے کلیہ کا خلاف ثابت کرنیوالے کیلئے ایک ہزار روپیہ انعام بھی رکھ دیا۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ دُنیا میں ایک ہی ایسا واقعہ ہوا ہے جس میں مسلمانوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذی روح شئی کو پکڑ لیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ پس انہوں نے یہ

اصطلاح بناکر انعام رکھ دیا تاکہ نہ کوئی اس کو دوسری جگہ اس کو ثابت کرسکے اور نہ انعام لے سکے۔ چنانچہ ان کا یہ افسوں ایسا کارگر ہوا کہ سینکڑوں لوگ گمراہ ہوگئے اور یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ جب دُنیا بھر میں ایسا واقعہ ہی ایک ہے تو دوسری جگہ سے کوئی اس کی مثال کس طرح لائے گا؛

لیکن بحکم: اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی (حق غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا)

علمائے اسلام نے مرزا صاحب کو ہر رنگ میں لیا —— چنانچہ مرزا صاحب کی اصطلاح کے مقابلہ میں علمائے اسلام نے اسی قسم کی ایک اصطلاح بناکر پیش کردی اور وہ یہ کہ:۔

"جب رفع کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی رُوح ہو اور اس کے بعد کلمہ اِلٰی آئے جس کا مجرور ضمیر اللہ کی طرف لوٹے تو اس کے معنی طبعی موت یا رفع درجات کے نہیں ہوتے بلکہ رفع جسمانی کے ہوتے ہیں"۔

یعنی: —— "روٹی کے بدلے روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی"

سو ایسے ہی سامری کے قصہ میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا خیال چونکہ مسلک صالحینؒ کے خلاف تھا اور انہوں نے دیکھا کہ صرف ایک ہی واقعہ میں "الرَّسُوْل" سے مراد فرشتہ آیا ہے۔ اس لئے انہوں نے "الرَّسُوْل" کی ایک اصطلاح بناکر سلف کے معنی کو رد کردیا۔

اگر اس طرح اصطلاح بن سکتی ہے تو ہم بھی اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:۔

"یہ اصطلاح اس وقت ہے، جب اس کے ساتھ "اثر" کا لفظ نہ ہو یہاں چونکہ "اثر الرَّسُوْل" فرمایا ہے اس لئے یہاں یہ اصطلاح جاری نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ "الرَّسُوْل" میں "الف لام" خود اضافت کا کام دے رہا ہے۔ یہ کہنا کہ اضافت نہیں کس قدر غلط ہے بلکہ رسُول کے معنی ہی میں اضافت موجود ہے کیونکہ رسول کے معنی مُرْسَل کے ہیں اور مُرْسَل بغیر مُرْسِل کے نہیں ہوتا، پس جیسے موقع ہوگا ویسے مراد لیا جائے گا"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بادشاہ کا مُرسَل ہے۔ اور سورہ یٰسین کے شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُرسَل ہے اور عام طور پر قرآن مجید میں اللہ کا رسول مرسل ہوتا ہے پھر اس سے کبھی بشر رسُول مراد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ۔

نیز یہاں ایک اور بات بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ رسُول کے معنی مُرسل کے ہیں، اور قرآن مجید میں کئی جگہ ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے دوسرے پارہ کے اخیر میں فرمایا۔

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک تُو پیغمبروں میں سے ہے)

اس کے متصل فرمایا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ.

(یعنی یہ پیغمبر (جن سے ایک آپ بھی ہیں ان میں سے) بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے)

یہاں پہلے جن کے حق میں مُرسَل کہا ہے۔۔۔ پھر انہی کو "رسُل" کہہ کر خطاب فرمایا اور بشر رسُل ہیں

اسی طرح پارہ ۱۴ رکوع ۴ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا ہے اس میں بھی مُرسَل کا لفظ ہے اور یہی قصہ پارہ ۱۴ رکوع ۴۔۵ اور پارہ ۲۶ رکوع اخیر میں ذکر فرمایا اور وہاں بھی مُرسَل کا لفظ آیا ہے اور مراد دونوں جگہ فرشتے ہیں۔ پس جب قرآن مجید میں دونوں ایک ہیں تو جیسے المرسل سے مراد قرآن مجید میں فرشتہ آیا ہے۔ اَلرَّسُول سے مراد بھی فرشتہ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں کیونکہ وہ لغت اور اصطلاحات سے غافل نہ تھے ہماری اصطلاحات، سلف صالحین کے مقابلہ میں محض "ڈھکوسلے" ہیں اور کچھ نہیں۔ ۷۳ فرقوں میں سے ایک ہی فرقہ حق ہے اور وہ "ما انا علیہ واصحابی" ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں)

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاعتصام ص ۳۰) عبداللہ امرتسری روپڑی ۵ر جولائی ۱۹۲۳ء

خاکساری فتنہ!

عنایت اللہ مشرقی کی بعض تحریرات اور ان کے انکشاف حقیقت کے متعلق سوال بخدمت شریف جناب حافظ صاحب مدظلہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مندرجہ ذیل اقتباسات عنایت اللہ مشرقی کے اخبار "الاصلاح"، "دعوت" وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ ان پر روشنی ڈالیں کہ یہ صحیح ہیں یا غلط، اور ان کی

حقیقت کیا ہے؟ (مسائل یکے از شملہ)

(۱) من مات ولم یجد امامہ فقد مات (حدیث)

(ترجمہ علامہ مشرقی) یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے امام کو نہیں دیکھا یعنی اپنے سردار کو نہیں بتایا، وہ جاہلیت یعنی کافروں کی موت مرا۔" (دعوۃ ص۶)

(۲) (ترجمہ حدیث) (نماز میں) اگر تم نے ذرا پہلے اور پیچھے اپنا سر زمین سے اٹھا لیا تو تم وہ بدبخت ہو جس کا سر قیامت کے دن گدھے کا ہوگا۔

(۳) "ایک شخص کے کفر پر ۹۹ دلائل جمع ہو گئے مگر ایک دلیل اس کے ثبوت اسلام پر ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کے حکم اسلام پر حکم کرے۔" (رسائل ابن عابدین جزء اوّل ص۳۳٦)

(۴) (ترجمہ) "کفر ایک امر عظیم ہے۔ علمائے اسلام میں سے کسی ایک نے بھی کفر مسلم پر حکم کرنے کی دلیری نہیں کی۔" (رسائل ابن عابدین ص۳٦٦)

(۵) اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اُسے تعزیر نہ دی جائے جب تک وہ اس شخص کو "کافر باللہ" نہ کہے کیونکہ وہ مسلمان جسے کافر کہا گیا ہے تو بتوں پر وہ فی الحقیقت کافر ہے تو قائل کا لفظ "یا کافر" دو معنوں پر محتمل ہے۔ یعنی کافر باللہ کا اور کافر بتوں کا۔" (شامی جلد سوم ص۲۵۳)

(۶) وہ لفظ جو موجب تکفیر ہو مگر ساتھ اس کے دوسرے معنی کا احتمال بھی رکھتا ہو تو فقہاء و محققین کے ضابطہ کے موافق جس لفظ میں احتمالات ہوں تو وہ استدلالات کفر کو ساقط کر دیتے ہیں۔"

(رسائل ابن عابدین جزء اوّل ص۳٦۷)

(۷) "خطبہ جمعہ کے وقت از روئے حدیث ثابت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم کا پاخانہ صحابہ کرامؓ (معاذ اللہ) تناول کرتے تھے۔ ... الغرض ان خدا کے مقرب بندوں نے میرے اتحرو پہنچتے ہی مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا میں جب ان کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے گیا اور مناقب رسولؐ کے عنوان کے ماتحت اُوپر کی پاخانہ والی حکایت ان کے مُلّائے سُن رہا تھا ان کے بڑے مُلّا نے مجھے دجّال اور ..... کہا۔" (الاصلاح ۵ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۴/۳)

(۸) "تکفیر مسلم کا جو مسئلہ ہے اگر اس میں ۹۹ احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال کفر کے نفی میں ہو تو مفتی و قاضی کے لئے بہتر یہی ہے کہ اس احتمال پر جو مانع کفر ہے عمل کرے اس لئے ہزار کافروں زندہ چھوڑ جانے کی خطا بہت کم ہے اس خطا سے جو ایک مسلمان کے فنا ہو جانے میں سرزد ہو جائے۔"

(مُلا علی قاری صہ ۱۹۹)

۹۔ "علیکم بالجماعة والسمع والطاعة (ترجمہ حدیث از علامہ مشرقی) اے مسلمانو! تم پر فرض ہے کہ جماعت کو قائم کرو۔ پھر اپنے امیر کے حکموں کو سنو اور اس کی بے چون وچرا اطاعت کرو۔"

(دعوت صہ ۵)

(۱۰) (تم پکی روٹی پر ایمان رکھتے ہو۔ اب نہ رکھو) یا تم اس کے اس مسئلہ پر کہ شہوت کے وقت (معاذ اللہ) مشت زنی جائز ہے ایمان رکھتے ہو۔ یا تم مولویوں کے اس مسئلہ پر کہ رسولِ خدا کا پاخانہ معاذ اللہ صحابہ کرام کھاتے تھے۔ (ایمان رکھتے ہو)

(۱۱) ابوذر غفاریؓ ایک دفعہ مسجد میں معتکف تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی، وظیفہ کا ورد فرما رہے تھے۔ فاروقؓ نماز کو آئے ہاتھ سے تسبیح چھین کر پھینکدی اور فرمایا کہ تم عیسائیوں کی طرح اسلام میں بھی جوگ رچانا چاہتے ہو۔ اسلام حرکت کا نام ہے اُٹھو، خدمتِ خلق کرو۔ بزرگوں کا قول ہے ؎

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست — سعدیؒ

(بحوالہ ہمدم "لکھنؤ از اخبار الاصلاح")

جوابات:۔ (۱) اصل حدیث یوں ہے:۔

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ صہ ۳۲۰)

(ترجمہ) جو شخص مرجائے اور اس کی گردن میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرگیا۔"

اس حدیث میں بیعت سے امام کی بیعت مراد ہے۔ اور امام سے مراد دوسری حدیث میں امام قتال بتایا ہے (یعنی صاحب حکومت جو جنگ کر سکے) (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ صہ ۳۱۸) اگر ایسا امام موجود نہ ہو تو پھر حکم ہے کہ سب فرقوں سے الگ رہو، خواہ درخت کی جڑ کھانی پڑے۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن صہ ۴۶۱)

نوٹ:۔ جاہلیت کی موت سے کفر کی موت مراد نہیں بلکہ بغاوت ہے۔

(۲) اصل حدیث یوں ہے:۔

اما یخشی الذی یرفع راسه قبل الامام ان یجول الله راسه راس حمار۔ (مشکوٰۃ باب ما علی الماموم من المتابعة صہ ۱۰۲) جو شخص اپنا سر امام سے پہلے

اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ خدا اس کا سر گدھے کا بنا دے۔"
اس میں نہ قیامت کا ذکر ہے نہ اس میں قطعی فیصلہ ہے کہ اس کا سر گدھے کا ہو جاتا ہے بلکہ صرف خوف دلایا ہے۔

(۳۔۴۔۵) شامی جلد سوم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ ٹھیک ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو یا زیادہ معانی ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ متکلم کی مراد کونسا معنیٰ ہے بعض معانی کی بنا پر کفر لازم آتا ہے۔ بعض معانی کی بنا پر کفر لازم نہیں آتا۔ ایسی صورت میں کفر کا فتویٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ متکلم کی مراد میں شک ہے۔ شاید متکلم کی مراد وہ معنی ہو جس سے کفر لازم نہیں آتا چنانچہ خود شامی جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ میں اس کی تصریح کی ہے، لکھا ہے:۔

وفی الخلاصة وغیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنعه فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم زاد فی البزازیة الا اذا صرح بارادة موجب الکفر ولا ینفعه التاویل۔

یعنی جب مسئلہ میں کئی احتمال ہوں جو موجب کفر ہوں اور ایک احتمال کفر سے مانع ہو تو مفتی کو اس ایک کی طرف جھکنا چاہئے کیونکہ مسلمان پر حسن ظن رکھنے کا حکم ہے ہاں جب متکلم اپنی مراد کی تصریح کرے جو موجب کفر ہے تو پھر تاویل کا کوئی فائدہ نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ شک کی صورت میں ہے جبکہ متکلم کی مراد متعین نہ ہو اگر متکلم کی مراد کا علم ہو جائے تو پھر ایک ہی وجہ کفر کے فتوے کے لئے کافی ہے خواہ دوسری کتنی اشیاء اس میں ایمان کی موجود ہوں، ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص قرآن کی ساری سورتوں پر ایمان رکھے صرف ایک سورۃ کا منکر ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ اسی طرح کوئی سارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ تمام کتب سماوی کو مانے، صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان نہ رکھے تو وہ بھی بالاتفاق کافر ہے۔

سیاسیات میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص انگریز کے سارے قوانین کا پابند ہو، صرف ایک قانون سے حکم عدولی کرے تو وہ اس کا باغی کہلاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایمان اور کفر کا معاملہ ہے۔

(۶) اس قسم کی کوئی روایت ثابت نہیں کہ معاذ اللہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاخانہ کھاتے تھے

یہ بالکل غلط ہے۔

(۸) اس کا جواب نمبر ۳-۴-۵-۶ میں ہو چکا ہے۔

9. یہ الفاظ کسی خاص حدیث میں مجھے یاد نہیں پھر ان کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ بنانا اس کا ترجمہ نہیں اگرچہ جماعت کا بنانا اور امیر مقرر کرنا حسب طاقت ضروری ہے لیکن ان الفاظ کا یہ ترجمہ بنانا نہیں بلکہ ان کا ترجمہ صرف یہ ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو یعنی جماعت موجود ہو تو اس سے جُدا نہ ہو۔ پھر جماعت بھی شریعت کے مطابق ہو نہ کہ خاکساری جن کے عقاید سراسر شریعت کے خلاف ہیں۔

(۱۰) مشت زنی کا مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نکاح کی طاقت نہ رکھے وہ روزے رکھے یہ اس کے لیے خصی ہونا ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

(۱۱) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بیٹھتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اعتکاف بیٹھنے کا ذکر ہے ارشاد ہے۔ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (پ۲ ع ۷) یعنی عورتوں سے اعتکاف کی حالت میں مباشرت نہ کرو۔

نیز ارشاد ہے۔ وعهدنا الى ابراهيم واسماعيل ان طهرا بيتي للطائفين والعاكفين والركع السجود۔ یعنی ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کو وصیت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے اعتکاف کرنے اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے صاف کرو۔

پس جب اعتکاف اتنی اہمیت رکھتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے شخص کو اس عبادت کی نظر سے کسطرح دھتکار سکتے ہیں جیسا سوال میں ذکر ہے یہ روایت بالکل غلط ہے۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم مدرسہ ضلع انبالہ

سوال: کیا خاکساری تحریک قرآن وحدیث کے تحت ہے۔

جواب: ان کا فوجی سلام اور بیلچہ کو اسلامی شعار سمجھ کر اٹھائے پھرنا اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے کیونکہ ان کا فوجی سلام تشبیہ بالنصاریٰ ہے اور حدیث میں ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان سے ہے اور بیلچہ کو اسلامی شعار سمجھنا احداث فی الدین ہے۔ اور حدیث میں ہے مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی جو ہمارے دین میں ایسی شے پیدا کرے جو اس سے نہ ہو وہ مردود ہے۔ ۲۔ ان کے ساتھ میل جول سلام کلام قطع کر دینا چاہیے۔ ہاں تبلیغ کے طور پر گفتگو کرتے رہنا چاہیے شاید خدا کسی کو ہدایت کر دے۔